جلد 7 شمارہ 9 نومبر 2005ء رمضان 1426ھ

قد افلح من تزکی ○ وذکر اسم ربہ فصلی ○ (الاعلیٰ 14-15)

بےشک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

اللہ

صداقت

محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاح آدمیت گوجرانوالہ

Registerd

CPL

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

ماہنامہ گوجرانوالہ
آدمیت فلاح
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاری رح
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 7 شمارہ 9 نومبر 2005ء رمضان 1426ھ

ایڈیٹر وحید احمد

-/20 روپے
سالانہ فنڈ -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
... وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:0431-862835
Mob: 0320-5793520

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-881379

... انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

انوارالقران

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ

بنی اسرائیل کی نافرمانیاں۔

سورۃِ بقرہ میں بنی اسرائیل کی بُری عادات اور نافرمانیوں کا ذکر بہت تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پہلے ان تمام بُرے خصائل کا ذکر کیا گیا جن کی وجہ سے ان سے امامت چھین لی گئی۔ اس کے بعد ان کی نافرمانیوں کو بیان کیا گیا کہ بنی اسرائیل وہ قوم ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں نازل کیں۔ ان کو بے حساب رزق عطا کیا۔ حتیٰ کہ پکا پکایا کھانا مَن وَ سَلوٰیٰ کی شکل میں اتارا اور کہا کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہو، اُس کی عبادت کرتے رہو۔ لیکن بنی اسرائیل نے ناشکری کی۔ وہ کہنے لگے کہ یا اللہ، ہل چلانے، مسور کی دال، پیاز اور لہسن کھانے کو جی چاہتا ہے۔ اس کو اُگانے کا انتظام بھی ہم خود ہی کر لیں گے اور اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا خود ہی جا کر جہاد کرو۔ یہ ہم سے نہیں ہوتا۔ اب صورت حال یہ ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جس کام کے لئے پیدا کیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے پیغام کو دنیا میں پھیلائیں اور اس کام کے بدلے میں انہیں تمام سہولیات مہیا کر دی گئی تھیں۔ تلاش رزق کے جان جوکھم کام سے انہیں فارغ کر دیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے ترتیب اُلٹ دی۔ جو کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا تھا، وہ انہوں نے اپنے ذِمہ لینے کی کوشش کی اور جو کام اللہ تعالیٰ نے ان کے ذِمہ لگایا تھا، اس سے روگردانی کی اور کہہ دیا کہ اے اللہ! وہ کام تو اور تیرا نبی کریں، ہم سے نہیں ہوتا۔

نظیر اکبر آبادی نے بہت عمدہ شعر کہا ہے:

جس کام کو جہان میں آیا تھا تو نظیر
خانہ خراب! تجھ سے وہی کام رہ گیا

صوفی شاعر میاں محمدؒ نے بھی فرمایا ہے:

ایتھے آیاں سیں لعل خریدنے نوں
ڈھیر ہنگ اجوائن دے لا بیٹھوں

بنی اسرائیل سے امامت چھن جانے کے اسباب۔

بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اس قوم کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے خزانے کھول دیئے تھے۔ مگر یہ متعدد خرابیوں میں مبتلا ہو گئے:

1۔ زعمِ محبوبیت

اُن سے اللہ نے ایک عہد لیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں گے۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کا سلوک کریں گے۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کریں گے۔ نماز قائم کریں گے لیکن وہ لوگ یہ سارے عہد باندھنے کے بعد کہنے لگے کہ ہمارے دلوں پر تو پردے پڑے ہیں۔ علاوہ ازیں تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس کے باوجود یہ دعویٰ کرتے تھے:

نحن ابنٰٓؤا اللہ واحبآؤہٗ ط

''ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔'' (المائدہ۔۱۸)

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم ہمارے محبوب ہو تو تم موت کی تمنا کرو تا کہ محبوب سے ملنے کا کچھ سامان ہو سکے، لیکن وہ اس سے بھی انکاری ہیں۔ ان میں سے ہر ایک شخص ایک ہزار سال تک جینے کا متمنی ہے۔

2۔ نسلی تعصب

بنی اسرائیل کی دوسری خرابی یہ بیان کی کہ یہ نسلی تعصب میں گرفتار ہیں۔ انہوں نے عربی، عجمی، کالے اور گورے کی حد بندیاں کر رکھی ہیں۔ پھر یہ لوگ ایک دوسرے کو گمراہ، کافر، فاسق اور فاجر کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

3۔ جادُو ٹونے

ایک اور خرابی ان میں یہ بتائی کہ یہ لوگ جادو اور تعویذ گنڈوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ ان کا پہنچا ہوا بزرگ اور اعلیٰ ترین عالم وہی شمار ہوتا جو سب سے بڑا جادوگر اور زیادہ سے زیادہ تعویذ گنڈے کرنے کا ماہر ہوتا۔

جادو کے بارے میں حضورؐ نے ایک بہت سخت جملہ ارشاد فرمایا:

الساحر يقتل ولا يستتاب

"جادوگر کو قتل کر دیا جانا چاہئے اور توبہ کی مہلت نہیں دینی چاہئے۔" (بخاری)

بہر حال کلام الٰہی میں یہ تمام باتیں یہود کا نام لے کر کی گئی ہیں۔اس سے بڑی بدنصیبی کی بات مسلمانوں کے لئے کیا ہوگی کہ آج کل ان واقعات کا اطلاق اُن پر بھی ہو رہا ہے۔قرآن پاک نے یہود کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ تم پر عتاب اسی لئے آیا کہ تم میں یہ تمام برائیاں تھیں۔

دراصل یہاں پر مسلمانوں کو بھی تنبیہہ کر دی گئی کہ بنی اسرائیل کی بری عادات کی وجہ سے ان سے یہ امامت چھین کر مسلمانوں کو دی گئی ہے لیکن اگر انہوں نے بھی ایسے ہی کام کئے تو ان سے بھی یہ امامت چھن جائے گی۔

امامت ابراھیمی

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے ذریعے مسلمانوں کو ایک سبق دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو امامت عطا کرنے سے قبل ارشاد فرمایا:

اذقال له ربه اسلم لا قال اسلمت لرب العٰلمین ہ

"جب اُن سے اُن کے پروردگار نے فرمایا کہ اطاعت کی راہ اختیار کرو تو اُنہوں نے عرض کیا کہ میں رَبُّ الْعَالَمِین کے آگے سرِ تسلیم خَم کرتا ہوں۔" (البقرہ:۱۳۳)

جواباً ارشاد ہوا:

انی جاعلك للناس اماماً

"میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔" (البقرہ:۱۲۴)

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا میری اولاد اور نسل کے بارے میں بھی یہی حکم ہے تو اللہ نے فرمایا:

لاینال عهدی الظلمین ہ

"میرا عہد ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا۔" (البقرہ:۱۲۴)

ایمان۔شعوری عمل

اس ارشاد خداوندی سے ایک بلیغ اور اہم نکتہ سامنے آتا ہے۔ جس طرح سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں فرمایا کہ ان میں سے جو ظالم ہوگا، اُس پر میرے وعدے کا اطلاق نہ ہوگا البتہ اگر کوئی شخص بقائمی ہوش وحواس مسلک ابراہیمی پر چلے گا اور شعوری طور پر مسلمان ہوگا تو اسے امامت ضرور ملے گی۔ بالکل یہی صورت ہم پر بھی صادر آرہی ہے۔ ہم میں سے ننانوے فیصد سے زیادہ لوگ ہیں جو محض اس لئے مسلمان ہیں کہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اسلام شعوری طور پر اختیار نہیں کیا۔ ایسے لوگ پیدائشی مسلمان ہیں، شعوری مسلمان نہیں۔ ایسے لوگ مردم شماری میں تو شاید مسلمان درج کئے گئے ہوں لیکن اللہ کی مردم شماری میں شاید وہ مسلمان تصور نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ انسان ''اِقْرار بِا لِلّسان'' کو دیکھ سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی مردم شماری ''تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْب'' کو دیکھتی ہے اور قلب ودل سے ماننے کا عمل موروثی نہیں ہوتا بلکہ وہ شعوری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام غزالیؒ اپنی کتاب ''احیائے علوم الدین'' میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ایمان کی اُس صورت سے توبہ کرنی چاہئے جو ہم نے ماں باپ سے ورثہ میں لی ہے۔ اس لئے کہ ایمان موروثی نہیں بلکہ کسبی اور شعوری عمل ہے۔ ہمیں اپنی سوچ سمجھ، تدبّر اور فکر سے ایمان کو اختیار کرنا چاہئے۔

اُمّتِ وسط اور شہادت حق

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امامت شعوری عمل کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ بنی اسرائیل سے امامت چھن کر مسلمانوں کو ملی۔ اس کی علامت تبدیلی قبلہ ہے۔ مسلمانوں کو اُمّت وسط قرار دے دیا گیا کہ وہ شہادت حق کا فریضہ سرانجام دیں۔ درمیانی اُمّت سے مراد وہ امت ہے جو عدل ومساوات پر چلنے اور پوری انسانیت پر گواہ ٹھہرنے والی اور اللہ اور اس کے رسولؐ کو اپنے اُوپر گواہ بنانے والی ہے۔

جب حضورؐ نے دین کی پوری دعوت انسانوں تک پہنچادی تو خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا:

الا هل بلغت ؟

''کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچادیا؟''

لوگوں نے عرض کیا ''ہاں پہنچادیا'' اس پر آپؐ نے فرمایا ''اے اللہ گواہ رہنا۔'' اسی طرح

ے اللہ کو گواہ بنانا اور اللہ کے پیغام کو انسانیت تک پہنچانا اس امت وسط کی ذمہ داری ٹھہری۔

چار اہم کام

اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی شخصیت اور زندگی کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیں۔ یہ کام کیسے سرانجام دیا جائے؟ ایک مسلمان کس طریقے سے اپنی شخصیت کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے؟ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں رسول اکرمؐ کے ذمہ چار اہم کام بیان کئے ہیں۔

ملاحظہ ہو دعاءِ ابراہیم علیہ السلام:

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم ط انک انت العزیز الحکیم ہ

"اے پروردگار! ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کریں جو ان کو آپ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے۔" (البقرہ:۱۲۹)

تاریخ شاہد ہے کہ تمام انبیائے کرام کے ذمے یہی چار کام رہے ہیں۔ اسی حوالے سے حضور اکرم ﷺ کے ذمے بھی یہی چار کام تھے۔ یعنی تلاوت کتاب، تزکیہ یعنی دل و دماغ کی طہارت، کتاب کی تعلیم اور دانائی و حکمت کی تعلیم۔

1۔ تلاوت کتاب سے مراد یہاں کتاب یعنی قرآن پاک کی پیروی ہے کہ صرف اس کو بلا سوچے سمجھے نہیں پڑھنا بلکہ غور و فکر سے پڑھنا ہے۔

2۔ تزکیہ سے مراد دل و دماغ کی پاکیزگی ہے۔ دماغ کو غلط نظریات و رجحانات اور دل کو خیالات سے اس طرح پاک کرنا کہ پوری کی پوری زندگی پاکیزہ ہو جائے، تزکیہ کہلاتا ہے۔

3۔ تلاوت اور تزکیہ کے بعد انسان اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ کی کتاب کا بغور مطالعہ کرے۔ اس کے احکامات کو مکمل طور پر سمجھ سکے اور پھر ان پر پوری طرح عمل کر سکے۔

4۔ قرآن مجید کی تعلیمات پر جس ذات گرامی نے پورے کا پورا عمل کر کے دکھایا، وہ

حضورؐ کی ذات گرامی ہے۔آپؐ کی پوری زندگی اسی قرآن کا عملی نمونہ ہے۔اس اعتبار سے قرآن مجید کے اندر متعدد مقامات پر اَلحِکمَۃ کا لفظ آیا ہے جس سے مراد سیرت طیبہ یعنی سُنّت نبویؐ ہے۔

حضور اکرمؐ کی پوری زندگی اُلحکمت کا سراپا ہے۔جو شخص بھی حضورؐ کا صحیح جانشین ہوگا،اُس کی زندگی میں مندرجہ بالا چاروں کام نمایاں طور پر نظر آئیں گے۔وہ فروعی مسائل اور اختلافات میں اُلجھنے سے پرہیز کرے گا اور صرف یہی چار بنیادی کام کرے گا اور ایسے ہی کردار کے حامل افراد منصب امامت کے اہل ہوسکیں گے۔

یہ چاروں کام سورۃ جمعہ وغیرہ میں تو اسی ترتیب سے آئے ہیں جو اوپر بیان کی گئی لیکن اس موقع پر ترتیب یوں ہے: تلاوت آیات، تعلیم الکتاب، تعلیم الحکمت اور تزکیہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعثت نبوی کا اصل مقصد لوگوں کا تزکیہ ہے۔تلاوت آیات اور تعلیم الکتاب والحکمت اس کے ذرائع ہیں۔تزکیہ کے حصول کے بعد ہی کوئی فرد یا قوم امامت کے لائق ٹھہرتی ہے۔

مسلمانوں پر امامت کی ذمہ داری

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی چند بری عادات گنوائی ہیں اور پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہاری بری خصلتوں کی بنا پر تم سے امامت چھین لی اور یہ سیادت و امامت ہم نے مسلمانوں کو عطا فرمادی۔اس کی نشانی اور ثبوت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے بیتُ المقدِس کو قبلہ باقی رکھنے کی بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا۔مسلمان سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن اس کے بعد حکم ہوا کہ کعبۃُ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

ذکر الٰہی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس اہلیت میں استقامت کیلئے طریق واضح فرمایا:

فاذ کرولی اذ کرکم واشکرولی ولا تکفرون ٥

"تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمہیں یاد کیا کروں گا۔میری نعمتوں کا شکر ادا کرنا اور کفران نعمت نہ کرنا" (البقرہ:۱۵۲)

اگر ہم اللہ کو تنہا یاد کریں گے تو وہ ہمیں تنہا یاد کرے گا۔ اگر ہم اُسے کسی مجلس میں یاد کریں گے تو وہ ہمیں اس سے بھی اچھی مجلس میں یاد کرے گا۔ ہم ایک مرتبہ ''یا اللہ'' کہیں گے تو دس مرتبہ ''لبیک یا عَبدِی'' کہے گا۔ ہم بالشت بھر اس کی طرف جائیں گے تو وہ گز بھر ہماری طرف آئے گا۔ ہم چل کر جائیں گے تو وہ دوڑ کر آئے گا۔ اگر ہم اس کی طرف جانے کا ارادہ اور تہیہ کر لیں گے تو وہ راستوں کو خود بخود آسان کرتا چلا جائے گا اور اتنی آسانیاں پیدا کر دے گا کہ ہم اس کی راہ میں جان دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ جو اُس کی راہ میں جان دے کر شہید ہو جائے، وہ اُس کو ایسی زندگی عطاء فرمائے گا کہ زندہ لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اسی لئے فرمایا:

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات ط بل احیآء ولکن لاتشعرون ۝

''جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں، ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مرے نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔'' (کہ اُن کی زندگی گزارنے کے انداز کیا ہیں کیونکہ وہ اُخروی اور برزخی زندگی ہے) (البقرہ:۱۵۴)

آزمائش میں مومنانہ رویہ

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ اس دنیا میں ہم تمہیں آزمائشوں سے گزاریں گے۔ کبھی بھوکا رکھ کر اور کبھی پیاسا رکھ کر، کبھی مال کی کمی سے، لیکن یہ سب کچھ ہمارا نظام تربیت ہوگا، اگر کبھی تکلیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑ جائے تو یہی بات کہتے چلے جانا:

اناللّٰہ و انآ الیہ رٰجعون ۝

''ہم تو صرف اللہ کے لئے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں۔'' (البقرہ:۱۵۶)

انسان کی زندگی کا اصل مقصد واپس اللہ کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ دراصل اللہ کی ملاقات ہی زندگی کا سب سے بڑا حاصل ہے۔ وہ ہمارا مطلوب حقیقی اور مقصود ازلی ہے۔ اس لئے دنیا میں اگر

کہیں نقصان ہو جائے یا دُکھ تکلیف آ جائے یا بھوک پیاس تنگ کرے تو بس یہی کلمہ ادا کرنا چاہئے کہ ہم تو اسی کے ہیں اور اُس ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ہر قوم راست راہے، دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کروم، برسمت کج کلاہے

بس اپنا کعبہ و قبلہ اللہ کی ذات کو بنا لیں۔ یہ بات جب دل میں بیٹھ جائے تو پھر نقصان نقصان محسوس نہیں ہوگا۔ بلکہ ہم اللہ کے راستہ کی یہ چھوٹی سی قیمت ادا کرتے چلے جائیں گے۔

اللہ کی محبت میں شرک

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ ط والذین اٰمنوآ اشد حبًا للّٰہ ط

''لوگوں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اُن سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے کرنی چاہئے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے، اُن کی اللہ سے محبت شدید ترین ہوتی ہے۔'' (البقرہ:۱۶۵)

ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انتہائی والہانہ محبت ہو، اور جتنی محبت اُس سے ہو اتنی کسی اور سے نہ ہو۔ اللہ ہماری چاہتوں اور محبتوں کا مرکز ہو۔ ہم کسی اور سے بھی صرف اللہ کی خاطر محبت کریں۔ اگر یہ ہے تو ایمان ہے، ورنہ نہیں۔

نیکی کا تصور

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی کا تصور عطا کرتا ہے۔ اسلام میں نیکی کا تصور یہ نہیں کہ ہم صرف مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لیں۔ یعنی صرف پوجا پاٹ میں مشغول رہیں، نیکی کیا ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لیس البر ان تولو اوجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبین ج واتی

المال علیٰ حبه ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل لا والسآئلین وفی الرقاب ج واقام الصلوٰة واٰتی الزکوٰة ج والموفون بعهد هم اذا عاهدوا ج والصّٰبرین فی الباسآء والضرآء وحین الباس ط اولٰئك الذین صدقوا ط واولٰئك هم المتقون ه

"نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، روز آخرت پر، فرشتوں پر (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں، یتیموں محتاجوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔" (البقرہ:۱۷۷)

اس آیت کریمہ پر ذرا غور کریں تو صاف ظاہر ہے کہ نیکی کے تصور میں چار بنیادی باتیں آ گئی ہیں۔

1۔ ایمان: اس کا مطلب ہے کہ زبان سے اقرار کرے، دل سے بات مانے اور خلوص دل سے عمل کرے۔

2۔ عبادت: یہ کہ نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے۔

3۔ صبر: یعنی اخلاق۔

4۔ معاملات: عہد کرنے پر عہد کو پورا کرنا۔

اس طرح دین کی چاروں بنیادی اور اہم باتیں (ایمان۔ عبادات۔ اخلاق۔ معاملات) یکجا ذکر کر دی گئی ہیں اور اس کے ساتھ ہی روزے کے آداب اور فرضیت کا ذکر کر دیا۔

روحانیت

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنی بھی قوتیں عطا کر رکھی ہیں وہ انسان کی بہتری کے لئے ہی ہیں۔ ان تمام قوتوں کو اس ڈھنگ سے استعمال کرنا کہ فائدہ زیادہ سے زیادہ اور نقصان کم سے کم ہو انسان کی کامیابی کی راہ ہے۔ اللہ کی دی ہوئی شریعت کسی بھی قوت کو ضائع کرنا نہیں چاہتی بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ تعمیری کام لینا چاہتی ہے۔ وہ خواہشات اور جذبات کو مٹانے کی بجائے انہیں حدود و قیود میں رکھنے کا حکم دیتی ہے۔ وہ مومن کو یہ بتاتی ہے کہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے، بلکہ تیرے گھر آئے ہوئے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے اور ساتھ ہی تفصیلی ہدایات بھی دیتی ہے کہ یہ حقوق کیا ہیں اور انہیں ادا کرنے کا احسن طریقہ کیا ہے۔ ان حقوق کے ادا کرنے پر بھی روحانی ترقی کا انحصار ہے۔ اللہ کے دین کی تعلیم اس قدر متوازن ہے کہ بنی نوع انسان کے لئے از سرتا پا خیر ہی خیر بن گئی ہے۔ روحانیت کے حصول کے جو طریقے بتائے گئے ہیں وہ ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ اسلام میں روحانی ترقی اور اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے یہ تعلیم ہرگز نہیں دی جاتی کہ اپنے جسم کو مسلسل فاقوں اور چلہ کشی کی مشقوں سے کمزور اور بیکار بنا دو، مسلسل روزے رکھو، ساری رات نوافل پڑھنے میں گزار دو، شادی نہ کرو چپ کے روزے رکھو، ننگے رہو، دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں جا بیٹھو یا حبس دم کی ریاضتوں میں پڑ کر سانس لینا بھی بند کر دو۔ اسلام اس دنیا میں رہتے ہوئے زندگی گزارنے کا ایسا لائحہ عمل عطاء کرتا ہے، جس پر عمل کیا جائے تو انسان دنیا کی لذتوں سے متمتع ہوتے ہوئے اور تمام حقوق احسن طریقے سے ادا کرتے ہوئے اللہ کے انتہائی قرب کی منازل تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کے چند اصحاب نے اللہ کی رضا کے حصول اور روحانی ترقی کے شوق میں شادی نہ کرنے، ساری رات اللہ کی عبادت کرنے اور مسلسل روزے رکھنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ کو ان کے ارادوں کے بارے میں اطلاع ملی تو ان اصحاب کو طلب کر کے پوچھا کہ کیا تم نے ایسا ایسا ارادہ کیا ہے۔ انہوں نے اس امر کا

یا تو آپ ﷺ نے انہیں اس طرز زندگی سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا وری نہ کرنے سے حاصل ہو سکتی تو اس پر سب سے پہلے میں عمل کرتا کیونکہ میں اللہ کا رسول ﷺ ں۔ میری بیویاں بھی ہیں اور میرے بچے بھی ہیں۔ اگر اللہ کا قرب ساری رات جاگ کر نوافل کرنے سے حاصل ہو سکتا تو سب سے پہلے میں یہ کام کرتا کیونکہ میں اللہ کا رسول ﷺ ں۔ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور پچھلی شب اٹھ کر تہجد بھی ادا کرتا ہوں۔ اگر اللہ کی محبت مسلسل ے رکھنے سے مل سکتی تو سب سے پہلے میں اس پر عمل کرتا کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ کیا تمہیں میرا طریقہ پسند نہیں ہے؟

اسلام میں جس طرح دوسری نعمتوں اور مال و دولت کے حصول کے لئے قواعد وضوابط مقرر ور حلال وحرام کی پابندیاں عائد ہیں اسی طرح روحانیت کے حصول کی خاطر رہبانیت اختیار نے سے روک دیا گیا ہے۔ دنیا کی دولت بھی ایک نعمت ہے لیکن زیادہ دولت اکٹھی کرنے جس طرح ناجائز ذرائع اختیار کرنا جرم ہے اِسی طرح زیادہ روحانی ترقی حاصل کرنیکی خاطر رک کر دینا حرام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ رہبانیت سے نہ صرف اپنے نفس کے حقوق ضائع ہیں بلکہ معاشرہ کے حقوق بھی تلف ہوتے ہیں اور دنیا کے نظام میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

یسا کہ حیات ارضی کے باب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ دنیا کی زندگی بڑی اہمیت کی حامل ے آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے۔ ہم یہاں محنت کر کے جو کچھ بوئیں گے آخرت کی زندگی ی فصل کاٹیں گے۔ اگر ہم کھیتی کو نظر انداز کر کے اور کاشت کے کام کو ترک کر کے یہ زندگی قاہ میں بیٹھ کر مراقبوں، چلوں اور گیان دھیان میں ہی گذار دیں تو اس زندگی میں کیا صلہ ے۔ قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے وہ انسان کے لئے بنایا ر انسان کو پیدا ہی اس زمین پر حکمرانی کے لئے کیا گیا ہے۔ اس لئے سچا دین وہی ہے جو نہ کے عطا کردہ خلافت ارضی کے منصب کے لئے تیار کرے تا کہ وہ یہاں کی تمام مادی ی قوتوں کو تسخیر کر کے ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکے اور اللہ تعالیٰ نے جو لیات عطاء کر رکھی ہے اسے بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے سفر میں آگے ے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اور دیدار حاصل کر سکے۔ جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے مسجود

ملائک بنایا اگر وہ زمینی قوتوں کو زیر فرمان لانے کے لئے جدو جہد ہی نہ کرے یا اپنی اطاعت میں لگانے میں ناکام رہے تو اسے رب العالمین کی خوشنودی کیونکر حاصل ہو سکے گی۔ اس لئے اللہ کا دین نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی اس میں غرق ہو جانے کو پسند کرتا ہے۔ بلکہ ایک متوازن اور حقیقی کامیابی کا ضامن لائحہ عمل عطا کرتا ہے اور اس روحانیت کی تعلیم دیتا ہے جس میں اللہ کا عطا کردہ جو ہر ناروا مشقتوں میں پڑے بغیر قلیل مدت میں ہی اپنے کمال کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ مسلک اللہ کے قرب و رضا کو مقصود حیات قرار دے کر کائنات کو تسخیر اور انسانیت کی خدمت کرنے کا ہے۔ مادی دنیا کی تسخیر اور اختراعات و ایجادات کی جدو جہد میں مومن کا جھپٹنا پلٹنا بھی خون گرم رکھنے کے لئے ہوتا ہے تاکہ منزل کبریا کی طرف اس کی پرواز میں کسی قسم کی کوتاہی واقع نہ ہو۔ اس سفر میں مومن کے کمالات کی حد برق و بخارات سے چلنے والی مشینوں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جمادات، نباتات اور حیوانات اور دیگر مادی قوتوں پر تصرف حاصل کرنے کے بعد مزید آگے بڑھ کر روحانی لطافت کے ذریعے زمان و مکاں پر دسترس حاصل کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق رکھنے کی بناء پر مومن آفاق میں گم نہیں ہو جاتا بلکہ آفاق اس کے قلب کی وسعت میں گم ہو جاتے ہیں۔ مومن جب اللہ کے نور سے دیکھنے لگ جاتا ہے تو وہ زمان و مکاں کی حدوں کو پھلانگ جاتا ہے اور اس کے لئے دور و نزدیک اور ماضی و مستقبل سب سمٹ کر ایک نکتہ بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ مومن میں اللہ کی صفات کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ جس طرح لوہے کا ایک ٹکڑا آگ کی بھٹی میں تپ کر سراپا آگ بن جاتا ہے۔ آگ کی حرارت اس کے ذرے ذرے کے اندر سرایت کر جاتی ہے تو وہ صورت و سیرت میں آگ ہی بن جاتا ہے۔ وہ دکھائی بھی آگ کی طرح دیتا ہے اور جلاتا بھی آگ کی طرح ہے۔ اس کیفیت کو وحدت الوجود کا دھندا نہ بنایا جائے کیونکہ لوہا آتش صفت ہوتے ہوئے بھی لوہا ہی رہتا ہے۔ الغرض بندہ مومن شدت محبت سے مولا صفات بن جاتا ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں کہ جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آئے۔ ایک حدیث قدسی ہے کہ جب بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

مقرب بندوں کو علم لدنی یعنی اپنی طرف سے خصوصی علوم اور اپنے فضل سے ایسی روحانی طاقتیں عطا فرماتا ہے کہ عام انسانوں کے لئے ان کو سمجھنا یا احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان خاص الخاص بندوں کا ذکر جا بجا فرمایا ہے اور اپنے فضل سے جو معجزات اور نعمتیں انہیں عطا فرمائیں ان کا اجمالی نقشہ اس طرح ابھرتا ہے کہ ان کی فرماں روائی انسانوں کے علاوہ جنگلی درندوں، آبی و ہوائی جانوروں اور جنات تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہوا کو ان کے لئے مسخر کر دیا گیا تھا۔ وہ ان کے حکم پر چلتی اور ان کا تخت ہوا کے دوش پر سفر کرتا تھا۔ وہ چیونٹیوں اور پرندوں کی زبان سمجھتے اور ان سے گفتگو کر سکتے تھے۔ وہ دور دراز مقامات سے بڑے وزنی مادی اجسام کو روحانی قوت کے بل بوتے پر پلک جھپکنے میں لا حاضر کرنے پر قادر تھے۔ ان کی نظریں تحت زمین اور عرش بریں دونوں کا مشاہدہ کر سکتی تھیں۔ وہ ماضی اور مستقبل کے اندر جھانک کر ازلی و ابدی حقائق سے آشنا ہو سکتے تھے۔ ان کی دعا سے آسمان سے من و سلویٰ نازل ہوتا اور دھوپ سے بچانے کے لئے بادلوں کے سائبان ان کے سروں پر سایہ مہیا کرتے۔ ان کا عصا ان کے ارادہ کے تحت اژدہا بن جاتا اور جب اسے اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو پھر عصا کی صورت اختیار کر لیتا۔ ان کے عصا کی ضرب سے پتھروں سے چشمے جاری ہو جاتے اور دریا کا پانی رک جاتا۔ ان کی خدمت میں بے موسم کے پھل پیش کئے جاتے۔ انہیں خوابوں کی تعبیر اور کئی دوسرے سری علوم عطا کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلوں کا نفاذ ان کے ہاتھوں سے کراتا۔ وہ عجوبہ روزگار بزرگ کہیں یتیم کی کشتی توڑ کر، کسی معصوم جان کو قتل کر کے اور کبھی کسی مومن کے یتیم بچوں کے خزانے کی حفاظت کی خاطر دیوار تعمیر کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اللہ کے اذن سے پیدائشی اندھوں اور کوڑھیوں کو اپنے مبارک ہاتھوں کے لمس سے شفایاب کرنے اور مردوں کو زندہ کر دینے پر قادر تھے۔ وہ مٹی سے پرندوں کی مورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ سچ مچ کے پرندے بن کر اڑ جاتے۔ تمام جمادات، نباتات اور حیوانات ان کو پہچانتے، ان کو سلام کرتے اور ان کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ ان کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ان کے چہرے کے تاثر سے قبلے کا رخ بدل دیا گیا۔ انہیں زمین و آسمان، جنت دوزخ اور کرسی و عرش کے عجائبات کی سیر کرائی گئی اور مکالمہ اور قرب و دیدار سے مشرف فرمایا۔ زمین کے خزانوں کی چابیاں انہیں عطا کی گئیں۔ ان

کے لعابِ دہن کی برکت اور شیرینی نے سوکھے چشموں کو جاری اور کھاری پانی میٹھا کر دیا اور کھانے کی تھوڑی مقدار سے سینکڑوں آدمیوں کی سیری ہوگئی۔ لعابِ دہن نے جب مسیحائی کی تو سانپ کے زہر کا اثر زائل ہوگیا، آشوبِ چشم دور ہوگیا۔ تلواروں کے زخم بھر گئے اور آنکھ سے باہر نکلا ہوا ڈھیلا پھر سے پیوست ہو کر پہلے سے بھی زیادہ روشن بصر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر ان کی ہیبت طاری کر دی اور میدانِ جنگ میں ان کی مدد کے لئے گھڑ سوار فرشتے نازل کئے گئے۔ ان کے قدموں میں بیٹھنے والے مساکین کو دنیا کی امامت و سیادت عطا ہوئی اور ان کے نامِ مبارک کو پھاڑ دینے والے مغرور شہنشاہ کی سلطنت کے پرزے اڑا دئے گئے۔ ان کی مخالفت میں کھڑے ہونے والے تمام نمرود، فرعون، قارون، ہامان، ابوجہل اور ان کے بھائی بند اپنی طاقت اور لاؤ لشکر کے باوجود اللہ کے شدید عذاب کی گرفت میں آ کر عبرتناک انجام کو پہنچے۔ ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کے تحریری حکم پر دریاؤں میں طغیانی آجاتی ہے اور وہ درندوں کو حکم دے کر جنگل خالی کرا دیتے ہیں۔ وہ ہزاروں میل دور لڑنے والے مجاہدین کو گھر بیٹھے دیکھ لیتے اور وہیں سے ہدایات بھی جاری کر لیتے ہیں۔ المختصر یہ اسلامی روحانیت کی برکتوں اور کرشمہ سازیوں کا ایک خاکہ ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں بٹھا لیں کہ اتنی عظیم روحانی طاقتوں کے مالک اور اللہ تعالیٰ کے منتخب اور مقرب بندے کسی لحاظ سے بھی تارکِ دنیا ہرگز نہیں تھے۔ تقریباً سبھی نے بھرپور دنیوی زندگی بسر کی، کام کاج کئے، شادیاں کیں اور صاحبِ اولاد ہوئے۔ ان میں بھیڑ بکریاں چرانے والے، بڑھئی، کاشتکار، طبیب، کپڑا بننے والے، لوہے اور تانبے کی صنعت کے ماہرین، تاجر، زمین کے خزانوں اور معاشیات کے ماہر، بڑے بڑے ہیکل اور محل بنانے والے ماہرِ تعمیرات، پہاڑوں کی گھاٹیوں کو لوہے کی دیوار سے پاٹ دینے والے انجینئر اور بڑے بڑے فاتحین اور حکمران بھی تھے۔ بلکہ بہت سے علوم اور صنعتوں کی ابتدا ان بزرگ ہستیوں کے ساتھ ہی منسوب کی جاتی ہے۔ یہی حقیقی روحانیت کی راہ ہے اور اسی پر چل کر انسان اپنا مقصودِ حیات حاصل کر سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ مومن کی فقیری کا رنگ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فقر مومن چیست؟ تسخیر جہات
بندہ از تاثیر او مولا صفات

ہستی او بے جہات اندر جہات
او حریم و درطوافش کائنات

"تمہیں کچھ خبر ہے کہ مومن کا فقر کیا ہے۔ اس کا ہدف تو ہر چیز کو مسخر کر لینا ہے۔ اس جدو جہد
ور اللہ کے قرب کے نتیجے میں اس میں اللہ کی صفات کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ مومن اگر چہ دنیائے
گ و بو اور جہان شش جہات میں گھرا ہوا ہے لیکن اس کی اپنی حقیقت ان حدود سے ماوراء ہے۔
و خاک کا لباس پہنے ہوئے ضرور ہے لیکن خاک سے پیوستہ نہیں ہے۔ یہ ساری کائنات مادی ہے
یکن مومن کی اصل عالم امر سے ہے۔ وہ مرکز کائنات ہے۔ تمام کائنات اس کے لئے پیدا کی گئی
ہے اور اسی کے گرد طواف کر رہی ہے۔"

اس دستور حیات کے تحت مرد مومن جدو جہد سے بھرپور زندگی بسر کرتا ہوا اللہ کے قرب و
یدار کی منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ دنیا کی نعمتوں اور کاروبار کی گہما گہمیوں میں گھرا ہوا
تب بھی اس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتا۔ اس کی راحت کا سامان اور قلب کا اطمینان
از اور اللہ کا ذکر بن جاتا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ قلبی طور پر دنیا و مافیہا کی محبت اور خوف
زن سے آزاد ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لائحہ عمل کو آپ اسلامی روحانیت، اسلامی تصوف، سلوک و
ریقت، احسان و حکمت یا اخلاص عمل میں سے جو چاہے نام دے لیں لیکن یہ انسانی جبلت اور
طرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ عالمگیر شریعت کی سچائی معلوم کرنے کی ایک پرکھ یہ
ی ہے کہ اگر اس تعلیم کو پوری دنیا اپنا لے تو ہر طرف امن و امان اور ترقی و خوشحالی کا دور دورہ ہو
ے اور یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ اب ذرا رہبانیت کی تعلیم کو اس کسوٹی پر پرکھ کر دیکھیں۔
انخواستہ اگر دنیا کے سارے انسان رہبانیت کو اپنا کر لنگوٹیاں پہن لیں اور آبادیوں کو چھوڑ کر
گلوں، پہاڑوں، مندروں اور خانقاہوں میں جا بسیں تو دنیا کا جو حال ہوگا اس کا اندازہ لگانا
ار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے روحانی طاقت اور اللہ کی معرفت حاصل کرنے
ے جو طریقے تعلیم فرمائے ہیں وہ انتہائی سہل العمل اور سریع الاثر ہیں۔ اسلام کے تصوف میں نہ
سل فاقے کرنا ہے نہ گوشہ نشینی ہے۔ نہ ہی دنیا کو ترک کر کے جنگلوں میں جانے کی اجازت
ہے۔ نہ راتوں کو جاگنا پڑتا ہے۔ نہ خانقاہوں میں بند ہو کر چلے کاٹنے پڑتے ہیں۔ اسکے باوجود یہ

طریقے اس قدر موثر ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے برسوں کا راستہ مہینوں میں طے ہوتا ہے اور وہ روحانی حصول کا اہم ترین ذریعہ نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ اللہ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنا ہے وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھڑے لیٹے اور کام کاج کے دوران ہر جگہ اور ہر وقت کیا جاتا ہے اس ذکر کی اہمیت اور فضیلت پر قرآنی آیات اور حضور ﷺ کی احادیث شاہد ہیں۔ ذکر اللہ کا طریقہ اس قدر آسان ہے کہ اس کے لئے مطلق وقت درکار ہی نہیں ہوتا کیونکہ یہ ذکر سانس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یعنی جو دم غافل سو دم کافر۔

مرد بن، غافل نہ ہو، ذکر خدا سے پیار رکھ
ہاتھ پاؤں کام میں اور دل کو سوئے یار رکھ

اس ذکر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جو سانس اندر جائے اسکے ساتھ بھی اللہ اور جو سانس باہر آئے اسکے ساتھ بھی لفظ اللہ اس طرح کہا جاتا ہے کہ دل کہے اور کان سنیں۔ اس راہ پر چلنے کے لیے دو باتیں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں وہ ہیں استعداد اور استاد۔ یعنی انسان کے دل میں حصول کیلئے طلب صادق موجود ہو اور اس کے ساتھ مرشد کامل میسر آ جائے۔ یہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں تو اللہ کے فضل و کرم سے منزل نزدیک اور آسان ہو جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہو چکا ہے اور کوئی نعمت ایسی نہیں جو اس میں شامل نہ ہو تو پھر روحانی قوت اور فقیری کے حصول کیلئے اسوہ رسول مقبول ﷺ کے علاوہ اور شریعت سے باہر کسی دوسرے طریقے کی ضرورت محسوس کرنا دین کی کاملیت سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ اسلام کے تصوف میں ایک سالک دنیا کے سارے کام احسن طریقے سے انجام دیتے ہوئے اور تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کی نعمت سے مشرف ہو سکتا ہے۔ اس تصوف کی ترویج کے لئے اس صدی کے عظیم صوفی اور روحانی علوم کے محقق بزرگ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ قائم فرمایا۔

جو قارئین کرام روحانیت کے متلاشی اور قرآن وسنت کی تعلیم کے مطابق سلوک طے کرنے کے خواہاں ہوں ان کے لئے بانی سلسلہ توحیدیہؒ کی تصانیف کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ مفید معلومات کا ذریعہ اور سعادت و برکت کے حصول کا باعث ثابت ہوگا۔

خواجہؒ کے خطوط

(ترتیب وتدوین۔ خالد مسعود)

1۔ خادم حلقہ ملازم کی طرح ہے

(بنام عاشق حسنین شاہ بخاری صاحب 6-6-1966)

''میں نے تو اللہ میاں سے پوچھا تھا کہ کس کو خادم حلقہ بنانا چاہیے تو مجھے القاء ہوا کہ عابد کو بنادو چنانچہ میں نے بنادیا۔ خادم حلقہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ روحانیت میں اپنے پیر بھائیوں سے زیادہ ہو۔ مطلق نہیں۔ چنانچہ میں ان کو صاف صاف لکھ دیا ہے کہ آپ کو جو خادم حلقہ بنایا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ روحانیت میں اپنے سب پیر بھائیوں سے بڑے ہیں آپ سے کہیں بڑے بڑے روحانی طاقت والے کراچی کے حلقہ میں بہت ہیں۔ اس سے پہلے جو مومن صاحب خادم حلقہ تھے ان میں ہی کونسی روحانیت تھی۔ مومن صاحب تو بیچارے رہے ایک طرف خود ملک بخشیش الٰہی میں بھی کوئی خاص روحانیت نہ تھی البتہ ان کا اخلاق بہت اچھا تھا اور ان کی توجہ خوب تھی۔ شاید یہ لوگ توجہ کو ہی روحانیت سمجھتے ہیں۔ جو ایسا خیال کرتا ہے وہ فقیری اور روحانیت کی الف بے تے بھی نہیں جانتا۔ بھلا روحانی طاقت والوں کو میں خادم حلقہ جیسی گھٹیا اور تھرڈ کلاس خدمت کے لئے کیسے مقرر کرسکتا ہوں۔ ان کے لئے تو بہت اونچے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں اور کوئی ان کو جانتا بھی نہیں۔ نہ کوئی روحانی بزرگ یہ خواہش رکھتا ہے کہ لوگ اس کو جانیں اور اس کی عزت کریں۔ وہ تو صرف خدا کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ دنیا کچھ ہی کہے، کچھ ہی کرے۔ بہر حال یہ تو میں ایسے ہی جوش میں لکھ گیا۔ مطلب یہی تھا کہ بعض لوگ جو خادم حلقہ بننا چاہتے ہیں وہ اول درجہ کے دنیادار ہیں روحانیت سے ان کو کیا سروکار۔ اللہ ان سب کو ہدایت دے۔ خادم حلقہ تو ایک ملازم کی طرح ہے جو حلقہ کرادیتا ہے اور اگر ہوسکے تو آنیوالوں کی چائے پانی سے کچھ خدمت کردیتا ہے۔ اللہ ان سب کو ہدایت دے اور بے لوث ہوکر خلوص سے سلوک پورا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین''

2

۔ یہاں تو دل چاہئے

(بنام عاشق حسنین شاہ بخاری صاحب 3-5-1967)

''محبت کی راہ میں دور اور قریب کوئی حیثیت نہیں رکھتے ۔ یہاں تو ''دل'' چاہئے ۔ فائدہ تو عمل کرنے پر منحصر ہے۔ بیسیوں آدمی پاس رہ کر بھی کورے رہ گئے اور بیسیوں دور رہ کر بن گئے ۔ بات تو عمل کی ہے ۔ امتحان کے زمانہ میں ضروری نہیں کہ حلقوں میں شریک ہوں ۔ محنت کریں حلقے بعد میں ہو جائیں گے ۔ اس سال کا خطبہ محض آپ کی اس رپورٹ پر لکھا گیا تھا جو آپ نے بریلوی خیالات کے لوگوں کے متعلق دی تھی ۔ اب ان لوگوں کا کیا حال ہے اور کیا خیال ہے ایسی باتوں کی خبر دیتے رہا کریں یہ بڑا اہم کام ہے میں اس سے بہت خوش ہوتا ہوں۔''

3 ۔ بلند حوصلہ لوگ

(بنام عاشق حسنین شاہ بخاری صاحب 20-5-1966)

''خط ملا ۔ حالات معلوم ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور اچھی سی ملازمت دے دیگا ۔ آپ بڑے حوصلہ کے آدمی ہیں کہ ملازمت کرتے ہوئے تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔ شاباش ۔ ایسے بلند حوصلہ لوگوں کی اللہ ضرور مدد کرتا ہے ۔ آپ مجھے ان لوگوں کے نام لکھیں جو عابد صاحب کے حلقہ میں دانستہ شریک نہیں ہوتے ۔ اب حلقہ میں جائیں تو عابد صاحب سے کہنا کہ مئی کا خیرات فنڈ ابھی تک نہیں آیا ۔ حالانکہ انہوں نے لکھا تھا کہ ہر ماہ کی دس تاریخ تک بھیج دیا کریں گے۔''

4 ۔ ایسا کوئی آدمی اللہ پیدا کر دے

(بنام محمد قاسم صاحب 4-2-1962)

''سب سے پہلے تو تحقیق (Research) اس بات پر کی جائے کہ مذہب اسلام موجودہ مادی ترقیات کے ساتھ چل بھی سکتا ہے یا نہیں اور یہ بات بھی بالکل درست ہے کہ اس قسم کی ریسرچ نہ تو مغربی تعلیم یافتہ ڈاکٹر وغیرہ ہی کر سکتے ہیں اور نہ ہی فقہی علماء ۔ اس کے لئے تو یہ آدمی ہونا چاہئے جو موجودہ علوم میں بھی ید طولیٰ رکھتا ہو اور تفسیر، حدیث اور فقہ میں بھی ۔ اور دونوں کے علاوہ روحانیت میں بھی محقق کا درجہ اس کو حاصل ہو ۔ خدا کرے ایسا کوئی آدمی اللہ پیدا کر دے اور امت مسلمہ اس کی مان لے تو انشاء اللہ مسلمانوں کی یقیناً ترقی ہو سکتی ہے۔''

قرآن سرچشمۂ ہدایت

(سید حمید اللہ شاہ بخاری)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اس نے انسانوں کو صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ ان کی ہدایت اور راہنمائی کیلئے انہی میں سے کچھ نیک اور برگزیدہ بندے بھی بھیجے ایسے بندوں کو نبی اور رسول کہتے ہیں اور ان رسولوں پر اس رب کریم نے کتابیں نازل فرمائیں تا کہ ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی لوگ اللہ کی کتابوں سے ہدایت حاصل کرتے رہے۔

قرآن مجید وہ مقدس کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین خاتم النبین حضرت محمد ﷺ پر تھوڑی تھوڑی کر کے تقریباً تیئیس سال کے عرصہ میں نازل کی۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اسی طرح پیغمبروں میں حضرت محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے اور نہ کوئی بنی آئے گا اسی طرح قرآن کریم کے بعد نہ کوئی کتاب نازل ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ اب قیامت تک آنے والے لوگوں کو اسی قران مجید سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی۔

لفظ قرآن (قراۃ) سے بنا ہے جس کے معنی پڑھنے کے ہیں قران کے معنی وہ چیز جو پڑھی جائے چونکہ یہ کتاب بار بار اور بکثرت پڑھی جاتی ہے۔ اسی لئے اس کا نام قران رکھا گیا۔ قرآن مجید بنی نوع انسان کیلئے رُشد وہدایت کا سرچشمہ اور علم وحکمت کی کتاب ہے افراد واقوام کی اصلاح کیلئے اس میں رہنما اصول بیان ہوئے ہیں جن پر بنی نوع انسان عمل کر کے بہت ہی اعلیٰ مقام کا مالک بن سکتا ہے کیونکہ اسی قرآن کی بدولت تہذیب وتمدن سے نا آشنا قوم انسانیت کے اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہوئی اور قیصر وکسریٰ کی شہنشاہیت کو ختم کر کے اسلام کا بول کیا قرآن کریم میں دنیا کی بہت سی قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں بیانکی گئی ہیں جو رہتی دنیا تک اقوام عالم کے لئے درس عبرت بنی رہیں گی۔

آیئے بھائیو ایک نظر ڈالیں کہ قرآن پاک بنی نوع انسان کو کیا درس دیتا ہے۔

تو بھائیو قرآن مجید نے بنی نوع انسان کو امن وسلامتی کا پیغام اور حریت ومساوات کا درس دیا۔ کالے اور گورے عربی اور عجمی پر فرق ختم کر دیا علاقائی نسلی اور لسانی تعصّبات کو مٹا کر ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جس میں شرافت اور بزرگی کا معیار حسب ونسب کی بجائے ذاتی عمل اور

انفرادی سیرت کو قرار دیا۔ قرآن مجید نے ہمیں عدل اور بے لاگ انصاف کا درس دیا صرف اپنوں کے ساتھ نہیں بلکہ غیروں اور دشمنوں کے ساتھ بھی۔ قرآن پاک کے نزول کو چودہ سو سال کا طویل عرصہ گزر گیا لیکن یہ ہر قسم کے ردوبدل سے محفوظ ہے اس کا ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف زمانہ نزول سے لے کر اب تک محفوظ ہے جسکی حفاظت خود اللہ رب کریم نے اپنے ذمہ لی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انانحن نزلناالذکرا وانا له لحفظون (الحجر ۹۔۱۰)

ترجمہ:۔ ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن پاک میں بے شمار مضامین بیان ہوئے ہیں انسان کی رہبری کیلئے تمام ہدایات اس کتاب الٰہی میں مذکور ہیں۔ جن میں عقائد کے سلسلے میں عقیدہ توحید کا بار بار ذکر ہوا اور مختلف طریقوں سے یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ سب کا خالق ہے اور زمین آسمان سورج چاند ستارے دریا پہاڑ سب اسی کے بنائے ہوئے ہیں جمادات نباتات اور حیوانات اسی کی مخلوق ہیں وہ سب کا خالق ہی نہیں بلکہ محافظ بھی ہے وہ اپنی ذات صفات میں واحد اور بے مثل ہے اسی طرح قیامت کے بارے میں بھی بہت زور دے کر یہ بتلایا گیا ہے کہ زندگی یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ موت کے بعد بھی ایک اور زندگی ہے جو کہ اس عارضی دینوی زندگی کے برعکس دائمی اور ابدی ہے ایک دن تمام انسانوں کو جمع کیا جائے گا اس کا حساب لیا جائے گا اور ان کے اعمال کے مطابق ان کو جزا اور سزا دی جائے گی اس لئے انسان کو یاد رکھنا چاہیے ایک دن اللہ کے حضور حاضر ہو کر جواب دہ ہونا ہے قرآن مجید نے اس بات کا بھی کئی مقامات پر تذکرہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو ہدایت کی خاطر اپنے نیک بندوں کو نبی اور رسول بنا کر بھیجتا ہے تاکہ انسان ان کی پیروی میں راہ راست پر چل کر اعلیٰ مقام حاصل کر سکیں چونکہ انبیا اور رسول علیہم السلام اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں اس لئے ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ ان پر ایمان لائے بغیر انسان اللہ کے پیغام اور احکام کو نہیں پا سکتا یہی ہستیاں اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ ہوتی ہیں چونکہ فرشتے اللہ کا پیغام لے کر انبیا علیہم السلام کے پاس آتے ہیں اس لئے ان کو بھی اللہ کی معصوم مخلوق کی حیثیت سے ماننا ضروری ہے۔

تو معلوم ہوا کہ یوں عقائد کے باب میں توحید، رسالت، قیامت، ملائکہ اور اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح عبادات کے متعلق قرآن مجید میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد کے احکام بیان ہوئے ہیں خاص طور پر نماز زکوٰۃ اور حج کے مسائل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ معاملات کے ضمن میں نکاح، طلاق، میراث، تجارت اور لین دین کے بارے میں احکام موجود ہیں۔اخلاقیات کے بارے میں قرآن پاک میں اجتماعی اور انفرادی اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے جن میں والدین کی فرمانبرداری اور حقوق کی ادائیگی کو مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے اسی طرح میاں بیوی کے حقوق وفرائض اور رعایا اور حاکم کے حقوق بیان ہوئے ہیں ان کے علاوہ عدل وایفائے عہد وصدق وامانت اور صبر وتحمل کا حکم دیا گیا ہے اور قتل، زنا، چوری، بغاوت، بہتان طرازی، شراب خوری، جواء اور غیبت سے منع کیا گیا ہے غرض یہ کہ تمام فضائل اور رذائل کے متعلق احکام موجود ہیں قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے واقعات بیان ہوئے تا کہ لوگ سبق حاصل کریں متعدد اقوام کا ذکر بھی ہوا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا لیکن وہ اپنی ناشکری اور بے راہ روی کے باعث عذاب الٰہی کی مستحق ہوئیں اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں اس کے علاوہ حضور ﷺ کے فضائل اور مناقب کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ ملتا ہے اور لوگوں کو حقیقی کامیابی کیلئے آپ کے اتباع کی تاکید کی گئی ہے اسی طرح کائنات کی تخلیق اور اس میں تدبر اور غور فکر کی دعوت بھی قرآن پاک کا خاص عنوان ہے تو میرے بھائیو آیئے باادب ہو کر اس کی تلاوت اور معنی کو سمجھنے کی ضرورت پر زور دیں۔تو قرآن پاک کی تلاوت بمعہ معنی کر کے اور ہمیشہ ہمیشہ تلاوت کی پابندی کر کے اپنے دین کے بارے میں اور اطاعت اللہ اور اتباع رسول کے بارے میں قرآن مجید کے بارے میں ہمیں جو درس دیا جا رہا ہے اس پر عمل پیرا ہو کر فکر آخرت کی راہ کو ہموار کریں کیونکہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے کیلئے اور معنی سمجھنے کیلئے اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرماتے ہیں۔

فاقرء ماتیسر امن القرآن (المزمل)

ترجمہ:۔"پس تم سے جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جائے پڑلیا کرو۔"

اسی طرح ایک اور آیت میں حکم باری تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد ہوا کہ

ورتل القراٰن ترتیلاً (المزمل)

ترجمہ:۔''اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیئے۔''

یہ پڑھنے والے کی مرضی پر منحصر ہے کہ تلاوت با آواز بلند کرے یا نیچی آواز میں قرآن پاک پڑھے لیکن جب قرآن پاک بلند آواز میں پڑھا جارہا ہو تو دوسرے لوگوں پر اس کا سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے قرآن پاک میں ہی ارشاد ہے۔

واذا قرئ القران فاستمعواله وانصتوالعلکم ترحمون۔

(الاعراف)

ترجمہ:۔''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خوب غور سے سنو اور خاموش ہو جاؤ تاکہ تم پر رحمت ہو۔''

تو پیارے بھائیو ہمیں چاہیے کہ قرآن پاک کو پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کریں اور جو راہ حق کا درس قرآن پاک ہمیں دے رہا ہے اس پر گامزن ہو کر اخروی زندگی میں سرخرو ہو جائیں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو۔نماز کے علاوہ قرآن کریم میں کثرت ذکر کا حکم بھی بار بار دیا گیا ہے۔بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کا حصول ان کے بغیر ناممکن ہے۔اس ذکر کا طریقہ اللہ والوں سے سیکھ لیں تاکہ آپ بھی اس زمرہ میں شامل ہو سکیں۔

الذین یذکرون اللہ قیٰما وقعوداً وعلیٰ جنوبھم ط

ترجمہ:۔''وہ لوگ جو اللہ کی یاد میں مصروف رہتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھ کر بھی اور لیٹ کر بھی۔''

آیئے ہم عہد کریں کہ ہدایت والی کتاب قرآن پاک ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پڑھتے رہیں گے تاکہ اس کے معنی کو سمجھ کر اور اس پر عمل پیرا ہو کر اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کر سکیں۔

رمضان کے بعد عید

(مولانا محمد منظور نعمانی)

رمضان المبارک مالک ومولا اور محبوب حقیقی کے حضور میں اپنی شان عبدیت ومملوکیت اور کیف عشق ومحبت کے مظاہرہ کا مہینہ تھا، دنوں کو روزے کا، اور رات کو اللہ کی عبادت اور اس کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کی کتاب مقدس کی تلاوت وسماعت اور اس کی تسبیح وتقدیس کا حکم تھا رب کریم کی رحمت کا سمندر جوش میں تھا۔ اس مہینہ کے نوافل کا ثواب دوسرے دنوں کے فرائض کے برابر اور اس ماہ مبارک کے ایک فرض کا ثواب دوسروں موسموں کے ستر فرضوں کے برابر کر دیا گیا تھا۔ کتنی برکت اور نورانیت کا مہینہ تھا!۔ ہماری مسجدیں بارونق اور دل پرانوار تھے، کتنے ایسے تھے جن کو سال کے گیارہ مہینوں میں ایمانی حلاوت نصیب نہیں ہوئی تھی مگر رمضان میں ان کے قلوب بھی اس لذت سے آشنا ہوئے، کتنے ہیں جن کو کسی موسم میں بھی نماز تہجد کی نوبت نہیں آتی لیکن رمضان کی برکت سے اور سحری کے طفیل میں ان کو بھی اس نماز سحر گاہی کی توفیق ملی جو اپنی خصوص روحانی برکات اور نورانی اثرات کے لحاظ سے یقیناً نسخہ کیمیا ہے۔

افسوس برکتوں اور رحمتوں کا یہ موسم اب ختم ہو گیا اور یہ فصل بہار آخر ہو گئی۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ جنہوں نے اس مقدس اور مبارک مہینے کے دنوں اور راتوں کی قدر و قیمت کو جانا، اس کے فرائض اور وظائف ادا کئے اور اس کی رحمتوں سے بھر پور حصہ لیا۔ اور ہائے قسمت کے کھوٹے اور نصیبے کے کتنے ہیٹے ہیں وہ لوگ جنہوں نے یہ مہینہ بھی غفلت میں گذار دیا اور محروم رہے۔

مستدرک حاکم اور معجم کبیر طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے مقرب ترین فرشتے جبرئیل امین نے ایک موقع پر ایسے مجرموں کے حق میں بدعا کی کہ:

بعد من ادرک رمضان فلم یغفرله (یعنی جس شخص نے رمضان کا بابرکت مہینہ پایا اور پھر اس میں وہ اللہ کی مغفرت نہ حاصل کر سکا تو خدا اس کو اپنی رحمتوں سے دور ہی رکھے)۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بدعا جبریلؑ سے سنی تو آپ نے بھی اس پر ''آمین'' کہا۔ (جمع الفوائد وترغیب)

کہاں ٹھکانہ ہے اس بدنصیب اور محروم کا جس نے رمضان کا مہینہ غفلت میں گذار دیا، اور اپنے خدا کو راضی کرنے کا کوئی سامان اس ''موسم رحمت'' میں بھی نہ کیا اور پھر وہ رسول اللہ ﷺ اور جبرائیل امین کی مشترک بددعاؤں کا مصداق بنا۔ **اللھم احفظنا و نعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیآت اعمالنا ہ**

عید

اس مبارک اور مقدس مہینے کے اختتام پر ہمارے لئے عید کا ایک دن مقرر کیا گیا ہے۔ یہ مسرت اور شادمانی کا دن ہے۔ مسرت اس بات کی کہ حق تعالیٰ نے ماہ رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہونے کی توفیق دی۔ اور خوشی و شادمانی اس امر کی کہ قرآن پاک کی ایک اور سالگرہ منانے اور ایک خاص نظام کے ساتھ اس کا دور کرنے کا امسال بھی موقع ملا۔

لیکن یہ عید کس طرح منائی جائے گی؟ کیا دوسری ناخداشناس اور کتاب و پیغمبر نہ رکھنے والی قوموں کے تہواروں کی طرح ہماری اس ''عید'' میں بھی لہو ولعب کا کوئی خاص پروگرام ہوگا؟ کھیل تفریح کا کوئی اجتماعی انتظام ہوگا؟ باجے بجیں گے؟ ناچ گانے ہوں گے؟ رنگ رلیاں ہوں گی؟ آتش بازیاں چھوڑی جائیں گی؟ شرابیں پی جائیں گی؟؟؟۔۔۔نہیں نہیں! ان خرافات میں سے کچھ بھی نہیں ہوگا بلکہ ہمارا یہ جشن پاکیزگی کا نمونہ اور انسانی شرافت کا مرقع ہوگا اور عملی طور پر بتلایا جائے گا کہ مسرت و شادمانی کے مواقع میں خداپرست اور خداترس انسان کا طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔

صبح سویرے اٹھ کر پہلا کام یہ ہوگا کہ جو لوگ خود محتاج نہیں ہیں (باصطلاح شرعی صاحب نصاب ہیں) وہ اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے ایک خاص حساب سے (جو عموماً معلوم ہوتا ہے) صدقہ نکالیں گے، اور قرابت داروں یا پڑوسیوں میں جو حاجت مند (مساکین، فقراء، لاوارث، یتامیٰ وغیرہ) ہوں گے اس کے ذریعے سے ان کی خدمت کریں تاکہ اس عام قومی مسرت کے دن میں وہ بھی بے مسرت اور غیر مطمئن نہ رہیں۔۔۔اس صدقہ کی حکمت خود حدیث میں بتلائی گئی ہے کہ روزوں میں معمولی قسم کی جو بے احتیاطیاں اور اعتدالیاں لوگوں سے ہو جاتی ہیں (مثلاً روزہ دار کو بے ہودہ، فضول اور لغو باتیں بالکل نہ کرنا

چاہیں مگر پھر بھی ہو جاتی ہیں) تو صدقہ فطر اس قسم کی کوتاہیوں کا گویا کفارہ اور فدیہ ہے اور دوسرا فائدہ اس کا وہی بتلایا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ اسلامی برادری کے غریب اور کمزور بھائیوں کی خدمت اور امداد ہوتی ہے اور وہ بھی اطمینان اور آسودگی کے ساتھ اس جشن ومسرت میں حصہ لینے کے قابل ہو جاتے ہیں، روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ **فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکواۃ الفطر شھر اللصیام من اللغو طلرفث و طعمته للمساکین (مشکواۃ)**

صدقہ کے علاوہ اور اس کے بعد دوسرا خاص رکن اس عید کا نماز ''عید'' ہے یہ نماز عید کیا ہے؟ خدا کی رحمتیں اور برکتیں رمضان میں نازل ہوئیں، ان کے ادائے شکر کا ایک اجتماعی مظاہرہ ہے، اور ہم سے اس مقدس مہینے کے حقوق وفرائض کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں ہوئیں ان کی استدعاء معافی اور جن اعمال صالحہ کی توفیق ملی ان کی اجر طلبی کا ایک خاص موقع ہے جو خود رب کریم نے ہم کو دیا ہے۔

جس طرح ایک آقا کے ملازمین مہینہ بھر کام کر کے پہلی تاریخ کو صاف ستھرے ہو کر آقا کے دربار میں تنخواہ وصول کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کو ان کے اس مالک حقیقی اور احکم الحاکمین جل جلالہ کا حکم ہے۔ جس کے لئے انہوں نے دنوں کو روزے رکھے اور راتوں کو تراویح پڑھیں کہ آج نہا دھو کر صاف ستھرے ہو کر اجر وانعام لینے کے لئے ہمارے دربار میں حاضر ہوں۔ لیکن خبردار! اس دن کی مسرتوں میں بھی ہماری طرف سے غفلت اور خود فراموشی نہ ہو، غرور اور خود پسندی تمہارے اندر پیدا نہ ہونے پائے۔ بلکہ ہماری عظمت وکبریائی کی یاد آج کے دن کی خوشیوں میں ہمیشہ سے زیادہ ہو، ہمارے جلال وجبروت کا چرچا اور ہماری حمد وثنا کا غلغلہ تمہاری زبانوں سے آج اور بھی سوا ہو، اور ہماری تحمید وتمجید کا یہ وجد آور نغمہ تمہارے ورد زبان ہو۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الااللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

اللہ کے بندے اس الٰہی ہدایت کے مطابق صبح سویرے نہا دھو کر صاف ستھرے، حسب توفیق نئے یا دھلے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اللہ کی عظمت وکبریائی اور اس کی حمد وثنا کا ورد کرتے

ہوئے نہایت باوقار اور سکینت کے ساتھ الٰہی دربار (عیدگاہ یا مسجد) میں حاضر ہوں گے۔ وہاں پہنچ کر یہ سارے حاضرین بلا امتیاز امیر وغریب، شاہ وگدا، ملازم وآقا صف بصف کھڑے ہو کر ایک امام کا اقتداء میں دو رکعت نماز ادا کریں گے، جس میں دوسری نمازوں کی نسبت سے فی رکعت تین تین تکبیریں زیادہ ہوں گی۔

عید میں "اللہ اکبر، اللہ اکبر" کی اس بار بار تکرار کا راز غالباً یہی ہے کہ بندے کہیں جشن مسرت کے جذبات میں بہہ کر خدا سے غافل نہ ہو جائیں، یا رمضان کے روزوں اور دوسری اس زمانہ کی نیکیوں کی وجہ سے ان میں غرور اور خود پسندی کے جراثیم نہ گھس جائیں۔ واللہ علم ۔۔۔۔نماز کے بعد وہی امام ایک خطبہ دے گا اس کے بعد یہ مجمع منتشر ہو جائے گا، اور ہر شخص اسی وقار اور سکینت کے ساتھ اپنے گھر کو واپس ہوگا۔ اسی واپسی کے وقت بھی ان کے دل وزبان پر یہی مستانہ ترانہ ہوگا۔

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لاالٰہ الااللّٰہ واللّٰہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

حضرات! بس یہ ہے، اور اس طرح منائی جانی چاہیئے۔ ہماری عید لیکن افسوس! جس طرح ملت کے دوسرے بہت سے کاموں کا صرف ظاہری ڈھانچہ رہ گیا ہے اور ان کی اصلی روح رخصت ہوگئی ہے۔ اسی طرح ہماری عید کی روح بھی بڑی حد تک فنا ہو چکی ہے، اور اب عید نام رہ گیا بس نئے اور بیش قیمت کپڑے پہننے کا، گھروں میں خاص قسم کے میٹھے کھانے پکا کر کھانے کھلانے کا، اور محض رسمی طور پر نماز پڑھ لینے اور (ہندوؤں کی دیوالی کی نقل پوری کرنے کے لئے) بعد نماز گلے مل لینے۔

غضب خدا کا! ۔۔۔۔میں نے سنا ہے کہ "مسلمان" بالخصوص ہمارے "نوجوان" "مسلمان" عیاشی اور تاش بینی عید کے دن اور دنوں سے زیادہ کرتے ہیں اور مجھے بتایا گیا ہے کہ اس مبارک دن میں سینماؤں اور دوسرے تماشہ گھروں کے اوقات بڑھا دیئے جاتے ہیں اور تماش بین مسلمانوں کے مذاق اور ان کی دل چسپی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس دن خاص خاص کھیل جاتے ہیں، سینما گھروں کے دروازوں پر "عید مبارک" کے جاذب نظر فوٹو اور نوٹس

ئے جاتے ہیں ۔۔۔۔ گزشتہ سال میرے ایک دوست نے مجھے ایک مقامی سینما کا اشتہار دکھایا
تھا جس پر عید مبارک کی سرخی تھی اور عید کے دن جو خاص کھیل اس سینما میں دکھایا جانے والا تھا۔
اس کی "خوبیوں" اور دلچسپیوں کا تذکرہ تھا۔۔۔۔ اور غضب بالائے غضب کہ اسی کے ساتھ جلی
قلم سے اس میں مقامی عید گاہ کا وقت نماز بھی دیا گیا تھا۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ٥**
لیبک علی الاسلام من کاف با کیا ۔ اے چشم دل! اگر تیرے پاس کوئی قطرہ
خون ہے تو اسلام کی اس پامالی اور بے عزتی پر رولے!!

خیر یہ تو دل کا درد تھا جو زبان قلم پر آ گیا ورنہ میں عید کے دن کے اعمال واشغال کے بارہ میں
کچھ عرض کر رہا تھا۔ اب آخر میں عید ہی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث نقل کر کے
جس سے اس مبارک دن کی برکت و اہمیت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا، اس گزارش کا سلسلہ ختم کیا
جاتا ہے۔

منذری نے ترغیب وترہیب میں ابو الشیخ ابن حبان اور بیہقی کے حوالہ سے رمضان اور عید
کے متعلق ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ عید کے متعلق اس کے آخری حصہ کا ترجمہ یہ ہے۔

"جب عید کے دن مسلمان نماز عید ادا کرنے کے مقام کی طرف جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے
فرشتوں سے فرماتا ہے (بتلاؤ) جو مزدور اپنے متعلق کیا ہوا کام پورا کر دے اس کو کیا معاوضہ
ملنا چاہیے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ "بارالہا! اس کا معاوضہ یہ ہے کہ اس کو پوری پوری مزدوری
دے دی جائے" حق تعالیٰ فرماتا ہے، میرے فرشتو! میں تم کو بھی شاہد بناتا ہوں کہ ان لوگوں کے
روزوں اور ان کی تراویح کے بدلہ میں ان کو اپنی رضا اور مغفرت عطاء کر دی (پھر عید کی نماز کے
لئے حاضر ہونے والے ان بندوں سے خطاب ہوتا ہے اور ارشاد فرمایا جاتا ہے) اے میرے
بندو! تم کو مانگنا ہو مانگو! میری عزت وجلال کی قسم آج اس موقع پر آخرت کے متعلق جو کچھ تم مجھ
سے مانگو گے وہ میں ضرور تم کو عطا کروں گا اور اس دنیا کے متعلق جو تم دعا کرو گے اس کے بارے
میں تمہاری مصلحت ہی پر نظر رکھ کے تمہارے حق میں بہتر فیصلہ کروں گا اور میری قدرت کی قسم
جب تک تم میرا خیال رکھو گے میں تمہاری لغزشوں کی ستاری کرتا رہوں گا۔ اور میری جلالت و
عظمت کی قسم میں تمہیں مجرموں (کافروں مشرکوں) کے سامنے رسوا نہ کروں گا۔ اب تم بخشے

بخشائے گھروں کو واپس جاؤ تم نے رمضان میں مجھے راضی کیا اور اب میں تم سے راضی ہوں"۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث میں مسلمانوں کے لئے بڑی بشارت ہے۔لیکن خبردار
اس کی وجہ سے غرور و عجب اور جھوٹے قسم کا اطمینان آپ میں نہ پیدا ہو، اس کے آخری فقرہ میں
صاف ارشاد ہے کہ یہ سب کچھ ان خوش بختوں کے لئے ہے جنہوں نے رمضان میں خدا کو راضی
کرلیا۔۔۔تو کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ بھی انہیں میں سے ہیں۔ آپ دل میں کہیں گے کہ کیوں
نہیں ہم نے روزے رکھے، ہم نے تراویح پڑھیں لیکن سوچئے کیا آپ نے ان اعمال خیر کو اس
طرح ادا کیا ہے جس طرح ادا کرنے کا ہم سے مطالبہ کیا گیا تھا۔ ذرا حافظہ پر زور ڈالئے کسی دن
روزہ میں آپ نے کوئی بیہودہ اور لغوبات تو نہیں کہی، جھوٹ تو نہیں بولا، کسی کی غیبت تو نہیں کی،
کوئی اور برا کام تو نہیں کیا۔ اگر ان میں سے کوئی قصور بھی ہوا ہے تو پھر آپ کیوں اس خام خیالی
میں مبتلا ہیں کہ آپ نے روزہ اور تراویح کو کما حقہ ادا کر کے خدا کو راضی کرلیا ہے۔۔۔؟ کیا
آپ نے یہ حدیث نبوی نہیں سنی:۔

"جو شخص روزہ کی حالت میں جھوٹ بولے یا ناحق اور نادرست کام کرے تو اللہ کو اس کے
فاقہ کی بالکل ضرورت نہیں۔"

اور کیا آپ کے علم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں ہے "بہت سے روزہ دار ہوتے ہیں
کہ ان کے روزہ کا حاصل سوائے بھوکے مرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا اور بہت سے ایسے شب بیدا
تراویح خواں ہیں کہ ان کی عبادت شبینہ کا حاصل بس جاگنا ہی جاگنا ہوتا ہے۔"

خدا نہ کرے کہیں ہم آپ بھی اسی شمار میں آجائیں۔ اور ہماری آپ کی کیا حقیقت، سیر
بعض کتابوں میں منقول ہے کہ اسی عید الفطر کے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف امیر المومنین
فاروق اعظمؓ کی ملاقات کیلئے حاضر ہوتے تو دیکھا کہ حضرت اپنے حجرہ میں بیٹھے رو رہے ہیں
عرض کیا۔ امیر المومنین! آج تو عید اور مسرت و انبساط کا دن ہے، یہ بے وقت رونا اور آنسو
کیوں، اور کیسا؟۔۔۔۔امیر المومنین نے ارشاد فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔
آپ فرماتے تھے کہ روزے دو قسم کے ہوتے ہیں "مقبول" اور مردود مجھے معلوم نہیں کہ میر
روزے کس شمار میں رکھے گئے۔

العظمۃ للہ! یہ تھا خوف وخشیۃ ہمارے مقدس اسلاف کا! اس سے ہرگز میرا یہ منشا نہیں ہے کہ ہم خدا کی رحمت سے اور اپنے روزوں اور دوسری نیکیوں کے اجر وثواب سے ناامید ہو جائیں، بلکہ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اپنی حقیقت کو نہ بھولیں، اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو فراموش نہ کریں خدا کی گرفت و باز پرس سے ہمیشہ لرزاں وترساں رہیں، اسی سے معافی اور توفیق مانگیں پھر اس کی رحمت ورافت سے سب کچھ امید رکھیں، اس کا ارشاد ہے۔ **سبقت رحمتی علیٰ غضبی ۔**

دُعا

خداوندا! جیسے کچھ روزے ہم سے بن پڑے ہم نے رکھے، اور دوسرے جن اچھے کاموں کی نے اس مبارک مہینے میں ہم کو توفیق دی وہ ہم نے کیے۔۔۔ بار الٰہا! بیشک ان سب میں ہم کوتاہیاں ہوئیں اور ہم اس ماہ مقدس کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہے، ہم کو اقرار ہے کہ اجر کا مدار صرف ہمارے ان اعمال پر ہو تو یقیناً ان میں اتنی کوتاہیاں ہم سے ہوئی ہوں گی جن وجہ سے ہمارے یہ اعمال ہمارے منہ پر مار دینا عین انصاف ہوگا، لیکن رحمت والے مولا! رحمت وبخشش کا دامن تھام کے تیرے گنہگار اور خطا کار بندوں کی تجھ سے التجا ہے کہ ے ساتھ عفو ورحمت کا معاملہ فرما اور اپنے فضل وکرم سے ہمارے ان ناقص اور بے روح میں روح ڈال کے ان کو قابل قبول بنا دے:۔ اپنی مقدس کتاب (قرآن پاک) میں تیرا ہے۔ **یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من مۃ اللہ** ۔ اس لئے ہزاروں قصوروں کے باوجود ہم تیری رحمت ومغفرت کے امیدوار ہیں کریم! اپنے فضل وکرم سے ہم گنہگاروں سے راضی ہو جا اور ہم خطا کروں کو بھی اس جماعت ل کر دے جن کو رمضان کی برکت سے نار جہنم سے آزادی ملی اور جن کی مغفرت کا اعلان تو عید کے دن اپنے فرشتوں کو شاہد بنا کر فرمایا۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم و تب علينا يا مولٰنا انت التوّاب الرحيم !

قرآن اور ھجرت

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

سابقون اور غیر سابقون کا فرق

یہاں بھی لفظ "مہاجر" نہیں لیکن (بہ فحوائے نمبر ۸) کسے نہیں معلوم کہ قبل از فتح اسلام لانے والوں میں بھی اول درجہ ان ہی مہاجرین وانصار کا ہے جنہیں "سابقون اولون" کہا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بعد فتح ایمان لانے والوں کا وہ درجہ نہیں ہوسکتا۔ اور ظاہر ہے کہ جو انفاق وقتال فتح کے بھی پچاسوں سال بعد ہوا ہے اس کا تو قبل فتح کے انفاق وقتال سے کوئی تقابل ہی نہیں۔ وہ انفاق وقتال (قبل فتح) تو رسول اللہ کی معیت میں ہوا، خالص اہل کفر کے مقابلے میں ہوا، ایسی حالت میں ہوا جب اسلام اور اہل اسلام کمزور اور بے بس تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں ان کے سامنے صرف اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ کوئی مسند حکومت نہ تھی۔ بعد والوں کو یہ شرف کب حاصل ہو سکا؟ تاہم یہ بے پایاں رحمت الٰہی ہے کہ قبل فتح اور بعد فتح دونوں ہی مواقع پر انفاق وقتال کرنے والوں کو اس نے مژدۂ حسنیٰ سنایا ہے۔ جہاں خدا خود ہی حسنیٰ کا وعدہ فرما دے وہاں ہمارے لیے مجال دم زدن کہاں؟ اور ہم جیسوں کو بعد فتح کے اہل اسلام پر طنز وطعن کا حق ہی کیا پہنچتا ہے جب کہ ہم خود فتح کے تیرہ صدی بعد ایمان لائے ہیں؟

ان تمام آیات میں مہاجرین کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں ان کی صداقت میں شک رکھنے والا کبھی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ ان میں ان کے لیے کھلے، واضح اور غیر مبہم لفظوں میں

مومن ہونے کا اعتراف ہے **(اولئك هم المومنون حقًا ۸/۷٤)**

ان کے اہل صدق ہونے کا اعلان ہے **(اولئك هم الصّٰدقون ۷٤/۸)**

اس کے علاوہ رجائے رحمت، کفارہ سیئات، خلود جنت، رضوان الٰہی، مغفرت، رزق حسن، قبول توبہ، درجات عالیہ وغیرہ کی صاف لفظوں میں بشارت دی گئی ہے۔

ہم نے نمبر ۱۷ اور ۱۸ میں دو ضروری آیتوں کا ذکر کر دیا ہے جن میں اگرچہ "مہاجرین وانصار" کا لفظ موجود نہیں لیکن جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے ان کی صف اول میں مہاجرین انصار ہیں۔ لیکن اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں تمام صحابہ کی مدح ہے اور بلاشبہ مہاجرین وانصار ان میں فہرست ہیں۔ ہم نے ایسی تمام عمومی آیات کو بخوف طوالت چھوڑ دیا ہے۔ جتنی آیات پیش کی ہ

وہی کافی ہیں۔اس کے بعد کچھ تشریح کرنے ضرورت نہیں۔

چند ضروری نکات

تاہم یہاں چند نکات پر غور کر لینا بہت مناسب ہوگا۔ وہ بھی سن لیجیے:

انصار کا لافانی شرف (الف) نمبر۴ میں جو آیت درج کی گئی ہے اس میں ایک لفظ ہے **ومن یھاجر فی سبیل اللّٰہ** (جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے)۔ پھر دوسرا لفظ ہے **ومن یخرج من بیتہٖ مھاجرًا الی اللّٰہ ورسولہ** (جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے)۔ پھر نمبر ۱۶ والی آیت کے الفاظ یہ ہیں: **یحبون من ھاجر الیھم** (یہ انصار ہر اس مہاجر سے محبت رکھتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے)۔ اللہ اکبر! انصار کا یہ لافانی شرف کسے حاصل ہو سکتا ہے کہ ان کی طرف اور خدا اور رسول کی طرف ہجرت کرنے کو ایک صف میں رکھا گیا ہے۔

ہجرت کا عجیب شرف (ب) نمبر۱۴ کی آیت مندرجہ میں ہجرت کی عجیب عظمت بیان کی گئی ہے۔ زوجِ رسول یا ام المومنین ہونے کا شرف صرف اسی بہن (چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ کی لڑکی) کو حاصل ہو سکتا ہے جس نے ہجرت میں رسول کا ساتھ دیا ہو۔ سگے چچا ابو طالب کی بیٹی ام ہانی حضورؐ کے لیے جائز نہیں اس لیے کہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائیں جب کہ ہجرت کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اور دوسری طرف ایک کافر دشمن کی بیٹی ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان اموی ہے جو زوجہ نبی اور ام المومنین ہونے کا لافانی شرف حاصل کر لیتی ہیں۔ کیونکہ اس نے ہجرت حبشہ بھی کی اور ہجرت مدینہ بھی۔

تاب کا مفہوم (ج) نمبر۱۰ کی درج کردہ آیت میں ہے:

لقد تاب اللّٰہ علی النبی والمھٰجرین و الانصار۔

اللہ نے نبی، مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول کی۔

یہ "توبہ قبول کی" از روئے لغت تو غلط نہیں لیکن اس میں یہ پہلو نکلتا ہے کہ جو غلطی بعض مہاجرین و انصار سے ہوئی تھی وہی نعوذ باللہ آں حضورؐ سے بھی ہوئی اور ان سب نے توبہ کی جو اللہ نے قبول فرمائی۔ چونکہ **تاب علٰی** کے اور بھی معنی ہیں جو تمام لغات میں موجود ہیں اس لیے ہم نے وہی معنی لیے ہیں جو نبی کے شایانِ شان ہوں۔ اس کے معنی ہیں متوجہ ہونا، رجوع ہونا،

مغفرت فرمانا، دوبارہ مہربان ہونا، ہم نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔اور یہاں یہ نکتہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ نبی، مہاجرین اور انصار میں یقیناً درجہ وحیثیت کا بڑا تفاوت ہے لیکن یہ کتنا بڑا اور غیر معمولی شرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت ومغفرت یا توجہ وعنایت میں مہاجرین وانصار کو بھی یکساں طور پر نبیؑ کے ساتھ شریک کیا ہے۔

لفظ کا د کا مفہوم

ہاں یہ ضرور ہے کہ ان میں چند لوگوں سے یہ غلطی ہوگئی تھی کہ ان کے دلوں میں کجی آنے لگی تھی۔آئی نہ تھی بلکہ آنے لگی تھی۔الفاظ قرآنی یوں ہیں:

کا دیزیغ قلوب فریق منھم

ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں زیغ (کجی) آنے لگی تھی۔

نہ یہ کہ آچکی تھی۔پھر لطف یہ ہے کہ **ثم تاب علیھم** اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی، فضل کیا اور مغفرت کا پروانہ نازل فرمادیا اور اس مغفرت و رحمت میں اس گروہ کو بھی نبی اور عام مہاجرین وانصار کے ساتھ شامل کرلیا۔

یہاں شک کفر ہے

(د) اسی حقیقت کا واضح اعلان ہے اس آیت کریمہ میں جو نمبر ۹ میں درج کی گئی ہے۔اگر تمام آیات سے صرف نظر کرلیا جائے تو تنہا یہی ایک آیت تمام مہاجرین وانصار کے لافانی فضائل ابدی مناقب، مغفرت ورضوان، خلود جنت اور فوز عظیم کے اظہار کے لیے کافی ووافی ہے اور اس میں ادنیٰ شک کرنے والا بھی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ہر اس روایت کو (خواہ وہ کتنی ہی مستند کتاب میں ہو اور کیسی ہی قوی سند سے ہو) جو اس واضح الٰہی فرمان سے متصادم ومتعارض ہو قطعاً غلط سمجھنا چاہیے۔

اس آیت میں

والذین اتبعوھم با حسان

(جن لوگوں نے مہاجرین سابقین اور انصار اولین کی عمدہ پیروی کی) سے عام طور پر ''تابعین'' مراد لیے گئے ہیں۔ہمیں تابعین کے فضائل سے ذرہ برابر بھی انکار نہیں۔رضوان الٰہی اور جنت تو از روئے قرآن ہر اس شخص کے لیے بھی ہے جو ایمان، عمل

اور خشیت الٰہی رکھتا ہو جیسا کہ ارشاد ہے:

ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰئک ھم خیر البریہ ط جزاء ھم عند ربھم جنّٰت عدن تجری من تحتھا الانھر خٰلدین فیھا ابدًا ط رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ ط ذٰلک لمن خشی ربہ ۵ ۹۸/۷-۸

جو لوگ ایمان لائے اور اس کے مطابق عمل کیے وہ بہترین خلائق ہیں ان کے رب کے ہاں ان کی جزا وہ سدا بہار باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ یہ انعام ہر اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب کی خشیت رکھتا ہو۔

پس جب یہ انعام عام طور پر ہر ایک مومن کے لیے ہے جو عمل صالح اور خشیت الٰہی رکھتا ہو تو تابعین کو کون اس سے خارج کر سکتا ہے؟ مگر ہمارے خیال میں اس آیت میں خاص تابعین کا ذکر ہے۔ پہلا گروہ ہے۔

والسّٰبقون الاولون من المھٰجرین والانصار۔

وہ مہاجرین و انصار جنہوں نے سبقت الی الاسلام اور اولیت کا شرف حاصل کیا۔

اور دوسرا گروہ ہے۔

والذین اتبعوھم باحسان

جو لوگ عمدگی سے ان کے پیچھے چلے

یہ پیچھے چلنے یا آنے والے وہی مہاجرین و انصار ہیں جن کو سبقت و اولیت کا شرف حاصل کرنے کا موقع نہ ملا۔ یہی مضمون نمبر ۲ کی مندرجہ آیت میں یوں بیان ہوا ہے کہ

والذین ھاجروا من بعد و جٰھدوا معکم فاولٰئک منکم

جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد (سعی بلیغ) کیا ان کا شمار بھی تم ہی (مہاجرین اولین) میں ہے۔

یہاں اوپر کی آیت (جو نمبر ۲ میں ہے) سے ملا کر دیکھ جائیے بات صاف ہو جائے گی۔ اس میں صرف بعد میں آنے والے مہاجرین کا ذکر ہے اور زیر نظر آیت میں اولون سابقون کے بعد آنے والے مہاجرین و انصار دونوں کا ذکر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مہاجرین و انصار کا پورا گروپ

------ خواہ وہ سابقون اولون ہوں یا بعد کے ------ خدا کی نگاہ میں مغفور لہم ،مرحوم ،حقدار رضوان ، مستحق خلود بہشت لہٰذا اداجب التکریم ہیں۔ اگر چہ دونوں گروہوں میں اور خود ہر گروہ کے مختلف افراد میں بھی درجات کا تفاوت موجود ہے۔ ان میں کسی سے سوئے ظن خود اپنے سوئے خاتمہ کا موجب ہوسکتا ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ سب بشر تھے۔ یہ لوگ بشری لغزشوں سے ،اجتہادی خطاؤں سے ،فکری غلطیوں سے کاملاً پاک اور ''معصوم'' نہ تھے۔ لیکن ہر ایک کی مجموعی زندگی کے لحاظ سے یہ سب کے سب اتنے بلند وارفع ہیں کہ ان کی خطائیں ہمارے صواب سے اور ان کے گناہ ہمارے ہمارے ثواب سے بہتر ہیں۔

جب اللہ نے انہیں معاف فرما دیا اور جب رسولؐ نے اپنی زبان وحی سے ان سب کے لیے مژدۂ رضوان و بہشت اور بشارت رحمت ،مغفرت سنادی تو ہم ان پر طعن کر کے اپنی عاقبت تو خراب کر سکتے ہیں، اپنی نیکیوں میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ ہمیں یہ حق تو حاصل ہے کہ ہم ان میں کسی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے انہیں میں سے کسی کی مخالف رائے سے اختلاف ------ بر بنائے دلیل نہ کہ بر بنائے عقیدت ------ کریں لیکن کسی کے حسن نیت پر شبہ کرنا یا اس کے اخلاص پر معترض ہونا یا اپنی طرف سے نعوذ باللہ ان کے درمیان بہشت و دوزخ تقسیم کرنا یا ان پر طعن کرتے رہنے کو کار ثواب سمجھنا ایک ایسا فعل ہے جو خود اللہ اور کلام اللہ کا مقابلہ کرنے کے مترادف ہے اور اس کا حساب کتاب اللہ ہی کر سکتا ہے۔ اگر ان کے مقابلے میں کسی ایسے شخص کو لایا جائے جو نہ مہاجر ہے نہ انصار تو یہ بھی قرآن کے مقابلے میں خم ٹھونک کر آنے کا ہم معنی ہے کیونکہ ہر شخص کا درجہ اس کے ایمان و عمل ،قربانی و ایثار ،اور اخلاص نیت کے مطابق متعین ہوتا ہے۔ رسول و نبی کے سوا کسی کا درجہ وہبی نہیں ہوتا۔ مہاجرین و انصار کا اجتماعی فیصلہ ایک ایسا فیصلہ ہے جس سے انکار کفر تک پہنچانے کے لیے بالکل کافی ہے۔

قابل غور آیت

اس سلسلے میں ایک آیت قابل غور ہے۔

ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدٰى ويتبع غير سبيل المؤمنين نولّه ما تولىٰ و نصله جهنم و ساء ت مصيرا ه (4/115)

ہدایت واضح ہو جانے کے بعد جو شخص رسولؐ کی مخالفت کرے اور ''سبیل المومنین''

دوسری راہ کا اتباع کرے تو جدھر وہ جا رہا ہے ہم اسے اسی طرف لے جائیں گے۔ اور سیدھے جہنم میں پہنچا دیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

جہنم میں جانے کے لیے صرف مخالفت رسولؐ ہی کافی ہے لیکن یہاں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ رسولؐ کی مخالفت اور ''المؤمنین'' کی راہ کے سوا دوسری راہ اختیار کرنا۔ اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ مطلب ہے کہ جس طرح صرف مخالفت رسولؐ جہنم میں لے جاتی ہے اسی طرح ''غیر سبیل المؤمنین'' کا اتباع بھی دوزخ میں پہنچا دیتا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ دوسری بات پہلی ہی بات کی تفسیر ہے یعنی رسول کی مخالفت یہ کہ غیر سبیل المؤمنین کا اتباع کیا جائے، مآل دونوں تفسیروں کا تقریباً ایک ہی ہے۔ اب یہاں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ سبیل المؤمنین سے کیا مراد ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ''المؤمنین'' کا الف لام استغراق کے لیے نہیں کیونکہ کوئی معاملہ ایسا نہیں جس کو ہر دور کے تمام مومنین کا اجتماعی راستہ کہا جا سکے۔ اس لیے یہ مان لینا چاہیے کہ یہاں الف لام عہد کا ہے یعنی اس سے مومنین کا کوئی خاص گروپ مراد ہے جس کی راہ سے الگ ہو کر راہ اختیار کرنا جہنم میں لے جاتا ہے۔ یہ گروپ وہی ہو سکتا ہے جسے رحمت، مغفرت رضوان، جنت وغیرہ کی واضح بشارت دی جا چکی ہو جو خدا سے راضی اور جن سے خدا راضی ہو۔ یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟ وہی اور صرف وہی جنہیں آپ مہاجرین وانصار کہتے ہیں اور انہیں کا ذکر اس آیت میں ہے۔

والسبقون الاولون من المهجرين و الانصاروالذين اتبعوهم باحسان الخ

جب تک قرآن موجود ہے اور جب تک قرآن کو سمجھنے والا ایک انسان بھی باقی ہے مہاجرین و انصار کی اس فضیلت کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ اہل جنت ہزاروں ہوئے اور ہوتے رہیں گے لیکن ان کے جنتی ہونے کے لیے حسن ظن اور گمان غالب سے زیادہ اور کوئی شے ہمارے پاس نہیں۔ مگر مہاجرین وانصار کے ایماندار و بہشتی ہونے پر اسی طرح ایمان رکھنا ضروری ہے جس طرح خود قرآن پر یہاں غالب گمان کافی نہیں، پختہ ایمان درکار ہے۔

انصار کا ذکر مضمون میں ضمناً آ گیا ہے۔ مقصود ہجرت کی حقیقت کو بیان کرنا ہے اور وہ بھی صرف قرآن پاک کی روشنی میں۔ روایات اور تاریخ میں تو ان کے بے انتہا فضائل اور کارنامے موجود

ہیں جن کے ذکر کے لیے الگ صحبت درکار ہے تاہم یہاں ہجرت کی دو ایک فضیلتیں اور بھی سن لیجیے جن سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ امت محمدیہ نے جس کی صف اول میں خود مہاجرین وانصار ہیں ۔۔۔۔ہجرت کا کس درجے احترام باقی رکھا ہے۔اور آج تک باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

ہجرت کے مزید فضائل

پہلی فضیلت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد پوری امت نے جس انسان کی خلافت حقہ پر اجماع واتفاق کیا وہ ایک مہاجر ہی تھا۔اور چوتھی خلافت تک ہر خلیفہ مہاجر ہی ہوا اسی کو خلافت راشدہ کہتے ہیں جو بعد میں اس معنی میں راشدہ نہ رہی کیونکہ پھر نہ یہ مہاجر کے پاس رہی نہ انصار کے پاس۔

دوسری فضیلت ہجرت یہ ہے کہ جب (بعہد فاروقیؓ) اسلامی سن کی بنیاد رکھی گئی تو ہجری سنہ ہی تجویز کیا گیا۔جو ہجرت کی یادگار ہے۔اہل اسلام کے لیے آنحضرت ﷺ کی ولادت کچھ کم اہم نہ تھی ۔وہ سنہ میلادی بھی تجویز کر سکتے تھے۔اور اس سے زیادہ اہم خود نبوت تھی اور وہ سنہ نبوت کو اپنا قومی سنہ بنا سکتے تھے۔اس کے علاوہ اور دوسرے سنین تجویز کیے جا سکتے تھے لیکن امت نے جس سنہ پر اجماع کر لیا وہ سنہ ہجری تھا۔اس لیے کہ ہجرت کے بعد اہل اسلام کے ایک نئے دور زندگی کا آغاز ہوا تھا اور ایک ریاست اسلامیہ کی طرح نو پڑی تھی اور ہجرت ہی وہ عمل تھا جس نے غلط تصور وطنیت کے سب سے بڑے بت کو تیشہ خلیل سے پاش پاش کیا تھا۔

آں حضورؐ نے آخر ماہ صفر میں سفر ہجرت اختیار فرمایا تھا جو ماہ ربیع الاول میں ختم ہوا اور یہ تکمیل ہجرت تھی ۔مگر ہجرت کا آغاز ماہ محرم ہی سے ہو گیا تھا۔اس لیے ماہ محرم ہی سنہ ہجری کا اول ماہ قرار پایا۔کاش اہل اسلام کو یہ توفیق نصیب ہو کہ اسلامی سال کے آغاز پر ہجرت کی مقدس یادگار منائیں۔ہجرت کی روح کو سمجھیں۔میلادی وطن کے غلط تصور کے بت کو توڑ کر اسلامی اخوت کے تصور کو عام کریں۔اور میلادی کی بجائے دینی وطن اور اس کے تقاضوں کی طرف توجہ دیں۔

اسلامی معیشت

(فضل محمود مرحوم)

صرف دولت

''کھاؤ پیو۔ استعمال کرو اور زندگی کی آرام دہ اور خوبصورت اشیاء سے پورا پورا استفادہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کے استعمال سے منع نہیں فرماتے۔''(۷:۳۲) تاہم دولت کے بے جا اسراف اور عیش و عشرت سے پرہیز کرو، بلاشبہ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ مدقات، خیرات، ہنگامی محصولات یا دیگر ھبوب بہت اچھے ہیں اور ان کا ادا کرنا فرض ہے۔ زکوۃ دینا فرض ہے۔ اللہ کی راہ یعنی بنی نوع انسان کی بہبود کی خاطر خرچ کرنا فرض ہے''اور لوگ جو اپنی دولت اور زندگی حق اور راست شعاری کے فروغ کی خاطر وقف کردیتے ہیں ان کا درجہ ہت بلند ہے۔''(2:104) یعنی بنی نوع انسان کی بہبود کے لئے بالخصوص اجتماعی انداز میں کو شش کرتے رہنا، نہایت اہم فریضہ ہے۔ ارشاد ہے جب یہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں و کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں مگر حقیقت میں ایسے لوگ اپنے آپ سے کنجوسی کرتے ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ت لوگ مفلس بنتے ہیں اور مفلس ہیں پس اس طرح اگر لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جائیں تو اللہ ن کی جگہ کوئی اور قوم کھڑی کرے گا جو ممکن ہے ان سے مختلف ہو۔ بعض قائدین اور مذہبی اجارہ ار ایسے ہیں جو ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال و زر ہتھیا لیتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ سے بہکاتے ں اور وہ لوگ سونے چاندی کے انبار لگا دیتے ہیں، اپنے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں رتے، انہیں اذیت ناک عذاب کی خبر دے دو۔ جب ان کے خزانے دوزخ کی آگ سے پگھلا یے جائیں گے اور وہ دہکتا ہوا سونا اور چاندی ان کے چہروں پسلیوں اور پشتوں پر لگا دیا جائے گا ان سے کہا جائے گا یہ ہے جو کچھ تم نے جمع کیا تھا، اب اس کا مزا چکھو۔''اور اے پیغمبر! پھر وہ پ سے پوچھیں گے کہ وہ اللہ کی راہ میں بنی نوع انسان کی بہبود کے لئے کیا خرچ کریں، تو انہیں ہ دو، جو کچھ بھی تمہارے پاس فالتو ہے اور جو کچھ بھی تمہاری ضروریات سے زیادہ ہے۔''اللہ نی نوع انسان پر اپنے احکامات اس لئے نازل فرماتا ہے کہ لوگ غور کریں۔''اے ایمان

والو! اپنی حلال کی کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اللہ کی راہ میں ناقص اور گندی اشیاء دینے کو خیال کو چھوڑ دو۔''(2:177,245,254,261,22,65,271) قرآن حکیم میں مذکورہ آیات اور اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جن میں دولت کے صحیح مصرف سے متعلق ہدایات ہیں۔

اس طرح اسلام میں نجی جائیداد کا تصور سرمایہ داری نظام سے بالکل مختلف ہے نجی جائیداد ایک امانت ہے ملکیت مطلق نہیں۔ دولت کو قرآن حکیم کے احکامات کے تحت استعمال کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ عیش وعشرت یا بدکاری میں خرچ کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے، دولت کو جمع کرنے یا ذخیرہ کرنے کی بھی اجازت نہیں، اللہ کی راہ یعنی بنی نوع انسان کی بہبود کے لئے خرچ کرنا دولت کا بہترین مصرف ہے اور فرض ہے۔

بنکاری

بیت المال یا سرکاری خزانہ معاشرتی تحفظ اور ہر قسم کی فلاح و بہبود کے لئے مخصوص ہے لیکن تمام قرض حسنہ ہیں۔

بیت المال یا سرکاری خزانے کو موجودہ دور کے بینکاری نظام سے خلط ملط نہیں کیا جا سکتا۔ جدید دور میں بینک قرضے کا کاروبار کرتے ہیں روپے کو قرض کی صورت میں اپنے پاس رکھتے ہیں اور سود ادا کرتے ہیں۔ اس قسم کو پھر آگے زیادہ سود پر بطور قرض دیتے ہیں۔ اس نظام میں اگر عوام کی بہبود کچھ ہو تو وہ محض اتفاقی ہے۔ بینک کو تجارت یا صنعت کے نفع ونقصان سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ بینک ہر دو صورتوں میں قرضے پر دی ہوئی رقم واپس لے لیتا ہے کیونکہ بینک قرضہ دیتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے کہ قرضے کے ضمن میں حاصل کی گئی ضمانتیں معقول اور ٹھوس ہوں۔ ''بینک''۔۔۔۔ سودی ادارے کی اصطلاح کی اسلام کے اصولوں میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

بینک میں جمع کی ہوئی رقوم بطور امانت ہوتی ہیں جن پر سود لینا یا دینا بالکل ناجائز ہے۔ بیت المال کے پاس زر امانت رکھا جاتا ہے۔ یہ زر امانت محفوظ رہتا ہے۔ بیت المال زر امانت کی حفاظت کا تھوڑا بہت عوضانہ لے سکتا ہے مگر یہ اندیشہ کہ بینک نہ ہونے کے باعث لوگ نجی طور پر

روپے کو جمع کر لیں گے مبنی بر حقیقت نہیں کیونکہ دفینوں کے ضائع ہو جانے کا خطرہ چوری ڈاکے کا
خطرہ فضول خرچی کا اندیشہ لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ اپنا روپیہ بیت المال میں جمع کرائیں۔
بلاشبہ ڈاکوؤں اور چوروں کا محاسبہ حکومت کا فرض ہے مگر فضول خرچی کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ سیم و زر
یعنی روپیہ گردش میں رہے گا۔

صرف دولت سے متعلق مسلمان علمائے دین کے مابین کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔ زکوٰۃ
یعنی کل جائیداد کا چالیسواں حصہ ہر سال بیت المال میں جمع کروانے کا حکم ہے اسی طرح دولت پر
محسوب (یا صدقات) یعنی ہنگامی محصولات رسالت مآب ﷺ یعنی ریاست کو ادا کرنے
چاہئیں۔ (9:103)

پیش نظر مقصد

خیرات میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو فالتو ہو یا ضرورت سے زائد ہو۔ خیرات سے حاصل
ہونے والی تمام چیزوں کو عوام کی خوشحالی اور انسانوں کو بے کسی و زیردستی سے نجات دلانے کے
لئے خرچ کرنا چاہئے۔

قرآن حکیم کی آیات میں زندگی اور دولت کے مصارف کا نہایت شاندار اور خوبصورت انداز
میں ذکر کیا گیا ہے جو جملہ بنی نوع انسان کے لئے ایک اعلان کی حیثیت رکھتا
ہے۔ عبادت، اطاعت، عبودیت، زندگی اور موت اللہ کے لئے ہیں جو پوری کائنات کا پروردگار
اور رزاق ہے یعنی انسان کا سب کچھ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ہے۔ (6:163)
افضل ترین مقام ہے جسے انسان حاصل کر سکتا ہے۔ ہزاروں برکتیں ہوں اس پر جس نے اس
کو پا لیا۔

مگ

اللہ تعالیٰ کسی قوم کے مقدر کو نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ اپنے مقدر کو خود نہ بدلیں۔"
(13:11) اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ نعمتوں کو نہیں چھینتا جب تک لوگ خود کو نہ بدل
(8:53)   (بشکریہ "نوائے وقت")

فقر مومن

(چوہدری عبدالرشید ساہی)

نگاہ فقر میں شان قلندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

علامہ فرماتے ہیں دنیاوی بادشاہ، خراج، فوج اور خزانہ کے محتاج ہوتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کے بغیر ان کی بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی لیکن فقیر کو ان میں سے کسی چیز کی احتیاج نہیں ہو سکتی اس کے باوجود وہ دنیا اور دنیا والوں پر حکومت کرتا ہے اس لئے فقیر کی نگاہ میں بادشاہی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ بادشاہ تو ہمیشہ فقیروں کے دربار میں حاضر ہوتے رہے ہیں لیکن کوئی فقیر کبھی کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں گیا۔ موجودہ دور میں نام نہاد فقیروں نے اس شعبہ کو بدنام کر دیا ہے نام نہاد پیر اور فقیر آج حکمرانوں کے بڑے خوشامدی بنے ہوئے ہیں۔ دربار اکبری کی طرح آج بھی اگر کسی حکمران نے کوئی فتویٰ اپنے حق میں لینا ہوتا ہے تو علماء سوکی ایسی جماعت ماضی کی طرح آج بھی ان کو مل جاتی ہے جو ان کی منشاء اور مرضی کے مطابق فتویٰ جاری کر دیتی ہے جیسے کہ موجودہ حکمرانوں نے خودکش حملوں پر فتویٰ حاصل کیا ہے کہ یہ خودکش حرام موت ہے حالانکہ یہ وقت کا تقاضا ہے کہ جب ظلم حد سے بڑھ جائے خودکشی حرام موت ہے حالانکہ یہ وقت کا تقاضا ہے کہ جب ظلم حد سے بڑھ جائے اور اس کو کنٹرول کرنے کیلئے وسائل نایاب ہوں تو خودکش حملہ جائز ہوتا ہے۔

شعر نمبر 2

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نااُمیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

اگر کوئی شخص دنیا والوں کے سامنے دست سوال دراز کرے اور اللہ کے فضل وکرم پر اعتماد نہ کرے تو اقبال کی نظر میں وہ شخص کافر ہے، دراصل علامہ نے جو دیکھا عرفان کی آنکھ سے دیکھا

اور پھر اس کو تحریر کر دیا جیسے قرآن مجید میں رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ ''اے انسان تجھ سے تو پرندے بہتر ہیں کہ وہ سارا دن دانہ دنکا چگتے ہیں اور شام کو اپنے اپنے گھونسلوں میں آ کر آرام کرتے ہیں اور جمع خرچ بالکل نہیں رکھتے بلکہ صبح پھر اللہ کے بھروسے پر رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں انہوں نے کبھی رزق جمع نہیں کیا لیکن اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود تیرا ایمان اتنا کمزور ہے کہ تیرے گودام غلہ سے بھرے ہوتے ہیں پھر بھی تو سہارتا ہے کہ کہیں آئندہ فصل آنے سے پہلے ہی غلہ ختم نہ ہو جائے اگر ہو گیا تو پھر میں تو فاقہ سے مر جاؤں گا اے انسان اللہ پر توکل کرنا سیکھ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''میں نے ہر روح کو پیدا فرمانے سے پہلے اس کے رزق کا بندوبست کر دیا ہے'' لیکن اس کو پھر بھی یقین نہیں آتا علامہ فرماتے ہیں کہ انسان نفسانی خواہشوں کی پرستش کرنے میں مصروف ہے ان کی تکمیل میں وہ اس قدر اندھا ہو چکا ہے کہ خدا کے احکام کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ خدائی احکامات کی حکم عدولی ہی کافری ہے جو کہ آجکل عام ہو رہا ہے مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے قران مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''اے ایمان والو بے حیائی کے کاموں اور بیہودہ باتوں سے اجتناب کرو'' لیکن بے حیائی کا طوفان بے مہار آج کل جو معاشرہ میں آیا ہوا ہے اس سے اخلاقی قدریں ختم ہو چکی ہیں، بے راہ روی عام ہو چکی ہے حیاء کا پردہ چاق ہو چکا ہے۔ عریانی انسانیت کا منہ چڑا رہی ہے اسلامی معاشرہ نے سارے کا سارا رنگ فرنگی تہذیب کا اختیار کر لیا ہے علامہ اقبال نے بہت پہلے اس بات سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کی کاوش کی لیکن یہ غلامانہ ذہنیت کے لوگ اس کو نہیں سمجھ سکے۔

یہ فاقہ کش کے موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے جسم سے نکال دو
اہل عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اِسلام کو حجاز اور یمن سے نکال دو

آج اخبار میں تازہ خبر دیکھنے کو ملی ہے کہ حکومت دبئی نے اپنے ملک میں پاکستانی سکالر علماء کا داخلہ بند کر دیا ہے۔ بہت پہلے یہ خبریں سنا کرتے تھے کہ عرب ریاستیں بے حیائی اور فرنگی تقلید میں بہت آگے جا چکی ہیں لیکن اب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمان قوم کو فحاشی، عریانی اور بے حیائی کے اِس طوفان سے محفوظ فرما لے! آمین ثم آمین۔

شعر نمبر 3

فلک نے اِن کو عطا کی ہے خواجگی کے جنہیں
خبر نہیں دوش بندہ پروری کیا ہے

اقبالؒ نے اِس شعر میں حکمرانوں کے طرزِ عمل پر تنقید کی ہے کہ یہ لوگ عموماً اہلوں کو مراتب عطا کرتے ہیں جو اشخاص فی الحقیقت عزت کے مستحق ہوتے ہیں اِن سے بے اعتنائی کا برتاؤ کیا جاتا ہے اِس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب کمال خوشامد کے فن سے نا آشنا ہوتا ہے اس لئے عزت وجاہ سے محروم رہتا ہے تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ کریم ذہن لوگوں کو پاکستان میں بھی صرف اِس لئے پردہ سکرین سے ہٹا دیا جاتا ہے کہ وہ ملک کے تو وفادار تھے مگر حکمرانوں کی بے جا تعریف کرنا اِن کے ضمیر کو گوارا نہ ہوا پاکستان ایئر فورس کے پائیلٹ ایم ایم عالم نے 1965ء کی جنگ میں جو کارنامے دکھائے سب آگاہ ہیں لیکن جنگ ختم ہوتے ہی اِن کو کھڈے لائن لگا دیا گیا۔ جنرل اعظم کا بھی جوشامد نہ کرنے پر حشر ہوا۔ جن لوگوں نے ملک پاکستان کی بقاء اور سلامی کی خاطر اپنی جانوں کی پروا بھی نہ کی اِن کو رسوا کیا جا رہا ہے حکمرانوں کو چاہیے کہ اِن وفادار قابل اور ذہین لوگوں سے کوئی کام لے نہ کہ اِن کو رسوا کرنے کے نت نئے محاذ کھولے اِس طرح ہماری بڑی جگ ہنسائی ہو رہی ہے انڈیا تو ملک کو ایٹمی قوت بنانے والے سائنسدان کو ملک کا صدر بنا دے اور ہم نے اپنے محسن کو قید تنہائی کی اذیت ناک سزا دے دی۔

شعر نمبر 4

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

علامہؒ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی شخص دوسرے کے دلوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے تو اِسے لازم ہے کہ اپنی نگاہ میں شوخی یا دلبری کی شان پیدا کرے کیونکہ دل کا فیصلہ عموماً نگاہ سے ہوتا ہے جب تک کسی کی نگاہ میں شوخی اور شخصیت میں دلکشی نہ ہو لوگ اِس کے گرویدہ نہیں ہوتے دراصل شاعر قوم مسلم کو نصیحت کر رہا ہے کہ اپنے اخلاق کو بہتر سے بہتر اپنے کردار کی اصلاح کر لو اپنی زندگی اسلامی قدروں کے مطابق بسر کرو، بچوں سے شفقت کرو بزرگوں کا احترام کرو تمہاری شخصیت میں دلکشی و دلبری خود بخود آ جائے گی دنیا تمہارا احترام کرے گی لوگ تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے دنیا جہان کی سب سے بڑی قانون کی کتاب قرآن مجید ہے اور اس میں سارا کا سارا زور اخلاق کی بہتری پر دیا گیا ہے نبی مکرم سردار انبیاء فخر انسانیت کی ساری زندگی اخلاق کا نمونہ ہے یہاں تک کہ رب العزت نے بھی خود قرآن میں اعلان فرما دیا، اگر تمہیں میری محبت درکار ہے تو میرے پیارے محبوب رسول حضرت محمد ﷺ کی پیروی کرو میں تمہیں اپنا محبوب بنالوں گا لیکن افسوس صد افسوس کہ معاملہ اس کے برعکس جا رہا ہے جس امت کو امت محمدی ہونے کا دعوی ہے اس کا اخلاق ساری اقوام سے نچلے گراف پر ہے جو غلامان مصطفیٰ ہونے کے دعویدار ہیں ان کی اخلاقی پستی کا عالم ہے کہ غیر قومیں ان پر بالکل اعتبار اور اعتماد نہیں کرتیں ان کا کردار اتنا مشکوک ہو چکا ہے کہ دوسری قومیں ہمیں اپنے ہاں کوئی حیثیت دینے کو تیار نہیں اکثر آپ سنتے اور دیکھتے ہیں کہ ہمارے اکثر اکابرین اور قائدین تک کو غیر ممالک میں جس طرح تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے جیسے ذلیل اور رسوا کیا جاتا ہے ان سے ائر پورٹس پر جو غلامانہ سلوک کیا جاتا ہے سنتے ہی سر شرم سے جھک جاتا ہے، علامہ فرماتے ہیں۔

تلوار سے دنیا کی امامت نہیں ہوتی
کردار کی خوشبو سے اُلٹ جاتے ہیں آفاق

دراصل اخلاق کا ہی دوسرا نام اسلام ہے۔ یہ ہماری بدبختی ہے کہ ہم اِس پر بالکل توجہ نہیں دے رہے جس کی وجہ سے سارے عالم میں ہماری سبکی ہو رہی ہے اسلام نے عام حالات تو در کنار حالت جنگ میں بھی اخلاقیات کا ایسا نظام متعارف کروایا ہے کہ کوئی دوسرا مذہب اس کی مثال پیش نہیں کر سکا مثال کے طور پر دوران جنگ بھی بچوں بوڑھوں، بیماروں اور عورتوں پر تشدد کی اجازت نہیں یہاں تک کہ ضرورت کے بغیر غیروں کے درخت تک کاٹنے کی ممانعت ہے کیونکہ مسلم کو اپنے کردار اور اخلاق کو بہتر بنانے کی اشد ضرورت ہے لیکن ہماری قوم اِس پر سوچنے کی بجائے مسلکی اختلافات میں اِس حد تک آگے جا چکی ہے کہ انسانی جانوں کے ضیاع پر بھی ہماری آنکھ اشکبار نہیں ہوتی۔ اللہ ہماری رہنمائی فرمادے۔ آمین

شعر نمبر ۵:

کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں دنیا میں ہر شخص سروری کا آرزومند ہے یعنی حصول اقتدار ہر شخص کی فطرت میں داخل ہے، ہر شخص دوسروں پر حکومت کرنے کا خواہشمند ہے لیکن اِس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اگر قوم فروشی یا ضمیر فروشی کر کے سروری حاصل ہو تو وہ انسان کے لئے عزت نہیں بلکہ ذلت کی بات ہے

ہماری حقیقی عید کب ہو گی ؟

(صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی)

عیدین (عیدالفطر، عیدالاضحیٰ) اہل اسلام کی قومی اور ثقافتی زندگی کے دو اہم اور سرور آفریں مواقع ہیں اور اس حوالے سے خوشی کا اظہار فطری بھی ہے اور برمحل بھی!

تاہم اس کے ساتھ ساتھ اسلام جیسے انقلابی دین نے خوشی اور غم کے موقع پر کچھ حدود قائم کر ی ہیں عیش میں یاد خدا اور طیش میں خوف خدا ایک سچے مومن کا رویہ اور شعار ہوتا ہے اسلام نے وشی کو اس حد تک نہیں جانے دیا جہاں غفلت کی پرچھائیں پڑ رہی ہو اور غم کو اتنا گمبھیر نہیں بننے یا کہ ذہن پر مایوسی کی آکاس بیل اگ آئے۔

عید مقام مسرت بھی ہے اور لمحہ فکریہ بھی ہمارے آباء واجداد نے صدر اسلام سے لے کر آج ک اور خود ہم نے ان برسوں میں نہ جانے کتنی عیدیں منائیں لیکن ان میں کتنی ایسی تھیں جو حقیقی وں میں عید کہلا سکتی ہیں شائد ایسی عیدیں چند ہوں کچھ تو وہ جو حضور ﷺ کی موجودگی اور عہد ت اور خلفاء راشدین کے دور برکت میں ہمارے بڑوں نے منائیں اور ازاں بعد شائد ہی بار عید پر حقیقی مسرت اور خوشی کا احساس ہوا ہو۔

دنیا کے دوسرے مذاہب اور دھرموں کا ہمیں معلوم نہیں عید کا کیا تصور اور مقصد ہے بہر کیف ے ہاں عید محض تہوار نہیں بلکہ روز عبادت بھی ہے اور خدا تعالیٰ سے اپنا روحانی تعلق بڑھانے سے مضبوط بنانے کا ذریعہ ہے اس لئے عید الفطر دراصل روزہ دار مسلمانوں کے لئے دم ت و بہجت ہے اور عید الاضحیٰ کے پس منظر میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی بے پناہ ت اور لازوال قربانی کا عکس کارفرما ہے گویا دونوں تہوار بامقصد اور احساس عبدیت سے ھرے علامہ اقبالؒ نے مردان حر کے لئے عید کو شکوہ دین و ملت اور بندگان محکوم کے لئے وم مومنین قرار دیا ہے ظاہر ہے جو قوم سال بھر کی کارکردگی کے بعد نفع کی بجائے نقصان ے اس کے لئے عید سعید کیا ہوئی الٹی وعید بن گئی۔

ہم پاکستانی عید کی خوشیوں سے سرشار ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ روز عید محض ایک دن ہے یا اس کی کوئی اہمیت بھی ہے؟ کیا عید صرف زرق برق لباس پہن لینے اور وسیع ولذیذ دستر خوان بچھانے کا نام ہے؟ کیا عید محض شہ خرچی اور تفاخر کا اظہار ہے؟ کیا عید بس ایک سماجی رسم ہے؟ ہر گز نہیں عید کا دن اپنے اندر مقصدیت بھی رکھتا ہے اور روحانیت بھی اس روز صرف سفید براق لباس پہننا کافی نہیں بلکہ دل ودماغ کا اجلا رکھنا ضروری ہے عید دستر خوان سجانے کا نہیں کردار سنوارنے کا نام ہے۔

ہم جب اپنی انفرادی کارکردگی اور اجتماعی روش پر نظر ڈالتے ہیں تو تکلف برطرف یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں عید منانے کا کوئی حق حاصل نہیں اگر چہ عید کے دنوں میں ایسی بات کہنا یا لکھنا پرلے درجے کی قنوطیت اور دوسرے لفظوں میں مزا کرکرا کرنے والی بات ہے اور ظاہر ہے محفل طرب میں کرب کا کیا گذر؟ لیکن یہ سب کچھ ہے۔ بہر حال درست، حق اور حقیقت!

کیونکہ جو قوم کھربوں روپے کی مقروض ہو جس کے ہاں پیدا ہونے والا ہر بچہ ہزاروں روپے کے قرض کا بوجھ سر پر لاد کر اس جہانِ رنگ وبو میں پہلا سانس لیتا ہو اس قوم کو عید کے روز شہ خرچی نہیں اپنے سر سے قرض کا بار ہلکا کرنے کی فکر کرنی چاہیے جس قوم کی دو تہائی آبادی سرے سے ان پڑھ اور باقی ایک تہائی پڑھ لکھ کر مردم بیزار اور اپنے پڑھے پر شرمسار ہو اسے اپنا تن آراستہ کرنے کی بجائے اپنے من کو علم سے مزین کرنے کی ضرورت ہے۔ جو قوم من حیث مجموعی آئی ایم ایف اور کنسورشیم کے رحم وکرم پر ہو اسے صرف ایک روز کے لئے لکھ لٹ بننے کی نہیں مستقل طور پر معاشی کفالت حاصل کرنے کی تگ ودو کرنی چاہیے جس قوم کا سیاسی لحاظ سے کوئی قبلہ نہ ہو اور ہو تو غلط ہو اسے محض ایک دن کے لئے قبلہ رو ہونے کے ساتھ ساتھ پوری قوم روبہ قبلہ بنانے کا جتن کرنا چاہیے جو قوم افتراق اور انتشار کی مزمن مریض ہو اسے بس عید کی نماز میں صفیں درست کرنے کی بجائے ہر لمحے اپنے اندر یک رنگی یکسوئی اور یکجہتی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

جو قوم ایک دن ہنسے اور سال کے باقی دن روئے تو اس کا تبسم یک روزہ کیا معنی! جو ایک ان

پیٹ بھر کر کھائے اور سال بھر اس کے کروڑوں ہم وطن عزت کی روٹی کو ترسیں اس کی سیر شکمی
ہوئی بھی تو کیا؟ جو قوم عید کے تہوار پر ایک دوسرے سے گلے ملے اور دوسرے ہی دن گلے ناپنے
شروع کردے تو ایسا معانقہ کس کھاتے میں؟ جو قوم عیدالفطر پر چند روپے فطرانہ اور عیدالاضحیٰ پر بچا
کھچا گوشت ابنائے وطن کو عطا کرے اور آنے والے دن مجبوریاں اور محرومیاں انہیں اپنے نوحے
یں لئے رکھیں تو وہ فطرانہ اور گوشت کے چند ٹکڑے کب تک کام دیں گے؟

ہم خود اپنے آپ سے پوچھ کر بتائیں کہ ہماری اجتماعی زندگی کے رنگ ڈھنگ اس طرح کے
ہیں جیسے اوپر بیان ہوا ہے؟ جواب بلاشک وشبہ ہاں میں ہوگا بلکہ ہے اس کے پیش نظر ہمارے
خیال میں ہم اہل اسلام اور اہل وطن اس دن حقیقی عید منائیں گے اور واقعی اس کی مسرتوں سے
اپنے گھر اور ملک کا آنگن بھر دیں گے جب۔

☆ ہم واضح نصب العین اور درست لائحہ عمل کے ساتھ ترقی وخوشحالی کی منزل کی
طرف گامزن ہوں گے۔

☆ ہم سیاسی اور معاشی طور پر خود مختار ہوں گے۔

☆ طبقاتی اونچ نیچ ختم ہوکر پوری قوم رشتہ اخوت میں منسلک ہو جائے گی۔

☆ دودھ ملے گا تو سب کو ملے گا اور پانی پینا ہو تو سبھی پانی پئیں گے۔

☆ حاکموں اور رعایا میں حائل فاصلے سمٹ جائیں گے۔

☆ کوئی کسی مجبوری کے تحت تعلیم سے بے بہرہ علاج سے محروم اور اپنی آرزوؤں کا
مردہ اپنے کندھے پر اٹھا کر نہیں چلے گا۔

☆ زر کو معاشرے کی قدر اور جبر کو قانون کا درجہ حاصل نہیں رہے گا۔

☆ ہمارے اجلے تن کے ساتھ ساتھ ہمارا من بھی روشن ہوگا۔

☆ ہر آنکھ سیر ہر سوچ پاکیزہ ہر قدم راست ہر ذہن مثبت اور ہر دل انسانیت کی محبت
سے سرشار اور معمور ہوگا۔

☆ کسی مظلوم کی آہ عرش الٰہی سے ٹکرانے سے پہلے اس دھرتی پر اپنا اثر دکھانے کے قابل بن جائے گی۔

☆ یہاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی بجائے اصولوں کی فرمانروائی ہوگی۔

☆ یہاں مکر کو فن دھوکے کو تجربہ اور فریب کو مہارت سمجھنے کا معمول ختم ہو جائے گا۔

☆ اور جب ہماری زندگی اور موت اپنے نظریئے کے فروغ اور وطن کے استحکام کے لئے وقف ہو جائے گی ایسا روز عید سب کو مبارک ہو آمین!

اگر ہمارا رویہ اور حالات اس کے برعکس ہوں گھر کا آنگن اور وطن کا دامن نفرتوں سے پٹا پڑا ہو انسانی خون نالی کے پانی کی طرح بہہ رہا ہو عزت قومی و غیرت ملی کی دھجیاں دھنکی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح فضا میں بکھری ہوئی ہوں اور ہر آدم زاد کی آنکھوں سے شعلے برس اور انگارے ابل رہے ہوں تو جسے ''عید سعید'' کہا جاتا ہے وہ ''عید شدید'' بن جاتی ہے۔

جس طرح تپش کے بغیر آگ خوشبو کے بغیر پھول تری کے بغیر پانی کرن کے بغیر چاند شعاع کے بغیر سورج لو کے بغیر شمع ٹھنڈک کے بغیر برف اور سرشک گرم و آہ سرد کے بغیر عشق کا تصور نہیں اسی طرح حریم دل چراغ محبت سے خالی ہو کاسہ دماغ وسعت خیالی سے عاری ہو صندوق سینہ گرمئی جذبات سے معرا اور چشم انسانیت آب الفت و اخوت کی نمی کو ترس رہی ہو تو پھر کہاں کی رنگینی عید اور کاہے کی تقریب سعید؟

افسردہ ہو چمن تو بہاروں کو کیا کریں
آنکھیں اداس ہوں تو نظاروں کو کیا کریں

اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

میری رائے میں قلندر مذکور سراسر معذور ہے۔ جب قلب ونظر میں زیغ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو انسان ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کیا کرتا ہے۔ یہ تو مثنوی ہے اگر ایسا آدمی قرآن پڑھتا ہے تو اسے اس میں بھی ولایت ہی نظر آتی ہے۔

اگر قارئین میری اس تلخ گوئی کو برداشت کرلیں گے (کیونکہ سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے) اور ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو وہ یقیناً مجھ سے متفق ہو جائیں گے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں اہل سنت کی اکثریت کے عقائد میں شرک و بدعت کی آمیزش کا سب سے بڑا سبب یہی غلط روایات ہیں جو صدیوں سے تصوف کی کتابوں میں راہ پا چکی ہیں اور بزرگوں سے منسوب ہونے کی وجہ سے شک وشبہ یا تنقید و تحقیق سے بالاتر ہو چکی ہیں۔

یہ شور تو ہر طرف برپا ہے اور یہ کلمہ تو ہر واعظ اور ہر خطیب کی زبان پر ہے، کہ مسلمان قرآن سے بیگانہ ہو چکے ہیں مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اس بیگانگی کے اسباب کیا ہیں؟ اس کی وجہ میں بتاتا ہوں اگر وہ ماخذ اور منبع کی نشاندہی کرنے کی غلطی کریں گے تو ان کی شہرت عزت اور ہر دلعزیزی ایک ہی تقریر کے بعد ختم ہو جائے گی اور چند روز کے بعد ان کی دکان بند ہو جائے گی جسے شک ہو وہ تجربہ کرکے دیکھ لے۔ **واللہ علیٰ ما اقوال شہید**

نظام القلوب مصنفہ شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادیؒ میں حضرت مصنفؒ نے جہاں اور بہت سے اذکار درج کئے ہیں وہاں صفحہ ۳۰ پر یہ ذکر بھی لکھا ہے:۔ ''ذکر پنج فرقی۔ جانب ایمن محمد، جانب ایسر یا علی، جانب بالا یا فاطمہ، اور در پیش یا حسن، در دل یا حسین۔''

یہ عاجز اس ذکر کو پڑھ کر سخت حیران ہوا کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر کیسے درج کر دیا یہ تو سراسر خلاف ارشاد خداوندی ہے اس لئے ناجائز بھی ہے اور شرک بھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ذکر اپنی ذات اقدس سے مختص فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون ط

اور اللہ کا ذکر بکثرت کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ پورا قرآن حکیم ذکر اللہ کی تاکید و تلقین سے بھرا ہوا

ہے۔ اللہ نے کسی جگہ بھی غیر اللہ کے ذکر کا حکم نہیں دیا ہے کیونکہ غیر اللہ میں تو کسی قسم کی بھی طاقت یا قوت نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

(اے انسان) اللہ کے سوا کسی کو مت پکار۔ جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پس اگر تو غیر اللہ کو پکارے گا تو اسی وقت ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں گرفتار کردے تو اللہ کے سوا کوئی انسان اس مصیبت کو دور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی انسان اس کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ بھلائی پہنچاتا ہے اور وہ غفور اور رحیم ہے۔ (۱۰۔۸۲)

سارا قرآن شرک کی مذمت اور توحید کی تلقین سے بھرا پڑا ہے۔ کلمہ طیبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلے غیر اللہ کی نفی کرو۔ پھر اللہ کا اثبات کرو۔ غیر اللہ میں کوئی قدرت یا طاقت نہیں ہے چنانچہ اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:۔

جو غیر خدا کو مانتا ہو قادر
اکبر بخدا کہ وہ مسلماں ہی نہیں

تصوف تو نام ہی ہے لوح دل سے نقش غیر کو مٹانے کا جو تصوف غیر اللہ کے نام کو دل میں جا گزیں کرنے کی ہدایت کرتا ہے وہ تصوف نہیں ہے بلکہ سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔ یہ ذکر غیر فرقی وہی تلقین کر سکتا ہے جو غیر اللہ کو قادر یقین کرتا ہو۔ یعنی مشرک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو آنحضرت ﷺ کا ذکر کرنے کا بھی حکم نہیں دیا تو دوسرے افراد کس شمار میں ہیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر جو دراصل شرک ہے کس طرح اپنی تصنیف میں درج کر دیا۔ اس ذکر کی سند قرآن کے علاوہ کسی حدیث سے بھی نہیں مل سکتی اور مل بھی کیسے سکتی ہے؟ آنحضرت ﷺ قرآن کے خلاف کوئی حکم کیسے دے سکتے ہیں؟

میں پورے یقین کے ساتھ لکھتا ہوں کہ غیر اللہ کے ذکر سے دل میں نور کے بجائے ظلمت پیدا ہوگی اور ذاکر اطمینان قلب سے محروم ہو جائے گا کیونکہ اللہ فرماتا ہے۔ **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** ط آگاہ ہو جاؤ کہ قلوب صرف ذکر اللہ سے اطمینان (سکون) حاصل

کر سکتے ہیں۔

سید سلامت علی شاہ قادری کی تصنیف موسومہ حقائق ومعارف القدر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادری، سہروردی اور چشتی۔ ان تینوں سلسلوں کے اکثر وبیشتر افراد حضرت علیؓ کو وصی نبی یقین کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقائد کے سراسر خلاف ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے وصی تھے۔ یہ عقیدہ تو عبداللہ ابن سبا بانیٔ فرقہ ضالہ سبائیہ کی ایجاد ہے اور سبائیت کی تمام شاخوں کا اور ان سے جس قدر فرقے نکلے، سب کا سنگ بنیاد بلکہ اہل سنت اور سبائیت کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔ جو سُنی صوفی خواہ وہ چشتی ہو یا قادری۔ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علیؓ وصی رسول تھے۔ وہ دوسرے لفظوں میں تینوں خلفائے راشدینؓ کو غاصب تسلیم کرتا ہے۔ خواہ وہ مصلحتاً یا تقیۃً زبان سے اس کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کا جاہل مصنف آغاز کتاب میں لکھتا ہے:۔

ہدیہ سلام علی دریائے ولایت علی ولی وصی نبی الخ

اس کے بعد لکھتا ہے۔ وعلی زرینۃ الحسن والحسین الخ

صفحہ ۶ پر یہ رباعی لکھی ہے:۔

یارب برسالت رسول الثقلین یارب بغزا کنندۂ بدروحنین

عصیان مرادوحصہ کن درعرصات نیمے بحسن بخش ونیمے بحسین

پوری کتاب میں حضرات **شیخین** کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ان پر ہدیۂ سلام بھیجنا تو خارج از بحث ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کے اسلوب نگارش اور ایک سبائی کے اسلوب میں کیا فرق پایا جاتا ہے؟ وہ بھی رسول کے بعد حضرت علیؓ کا ذکر کرتا ہے اور انہیں وصی قرار دیتا ہے۔ اس نام نہاد سُنی قادری نے بھی رسول کے بعد یک لخت حضرت علیؓ کا ذکر کیا ہے اور انہیں وصی قرار دیا ہے

اس کتاب کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۳۷ پر یہ غیر اسلامی عقیدہ درج ہے۔

''معدن الجواہر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ کہ مقتدائے زماں امین خاں سے منقول

ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت قطبی ابوالفتح شاہ شمس الدین شیخ محمد شریف قادری ملتانی کو دیکھا کہ دایاں ہاتھ بند کئے ہوئے میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری ہتھیلی کو دیکھ۔ جب میں نے ایسا کیا تو پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا محمدؐ علیؑ اور عبدالقادرؒ یہ تینوں بظاہر تین وجود نظر آتے ہیں مگر باطناً (باعتبار باطن) ایک وجود ہیں! اور معیت تامہ رکھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو یہ اعتقاد رکھے اور ناقص ہے وہ جو اس کے خلاف (ان کو تین) سمجھے۔۔۔ شاہ نعمت اللہ کرمانی (شیعہ صوفی) نے بھی اپنے اس شعر میں اسی معنی کو واضح فرمایا ہے:۔

مُصطفےٰ را مرتضیٰ دان ، مرتضےٰ را مُصطفےٰ

خاک در چشم دو بینان دغا باید زون

یہ روایت مذکورہ بالا (کہ تینوں ایک ہیں) ان احادیث مندرجہ ذیل کی روشنی میں معیت تامہ پر دلالت کرتی ہے۔

(ا)لحمك لحمی ودمك دمی

(تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے)

(ب)اناو علی من نوروا حد

(میں اور علی ایک نور سے (مخلوق) ہیں)

(ج)اناانت وانت انایا علی۔

(اے علی میں تو ہوں اور تو میں ہے)

(انتہیٰ بالفاظہٖ صفحہ ۳۳۸ جلد دوم)

یہ روایت تو میں نے دل پر جبر کر کے نقل کر دی۔ اب اس پر تنقید کرنے کے لئے فولاد کا جگر کہاں سے لاؤں؟ اگر حضرت قطبی ملتانی زندہ ہوتے تو ان سے عرض کرتا کہ یا حضرت! اس عقیدے میں اور نصاریٰ کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح قدس اگر چہ ظاہراً تین ہیں مگر باطناً ایک ہیں۔

عجیب بات ہے کہ اللہ تو یہ فرمائے کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔(**لقد کفر الذین**

قالوان اللہ ثالث ثلثہ) اور آپ یہ کہیں کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ بہت مبارک ہے!

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ مزعومہ احادیث جن سے آپ نے معیت تامہ پر استدلال کیا ہے
ل سنت کی مسلمہ و متداولہ کتب احادیث میں سے کون سی کتاب میں مندرج ہیں۔ ؟ یا ان کی سند
کیا ہے۔ ؟

یہ عاجز بڑے ادب مگر بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہے کہ انہی روایات کا
رشمہ ہے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں حیدر آباد دکن ،گلبرگہ ،اورنگ آباد ،پیران کلیر ،بریلی ،
داؤں ،دہلی ،اجمیر ،دیوہ ،رولی ،پکھوچھ ،ماہریرہ ،لاہور ،پاکپتن ،ملتان
اچ ،جلالپور پیروالا ،سیہوان ،درازہ ،حجرہ شاہ مقیم اور بھٹ شاہ کے اکثر مزارات سبائیت اور
بدعت کے فروغ و شیوع کے مرکز بن گئے ہیں۔

نیز یہ مسکین بصمیم قلب اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس دور عقلیت میں اگر دین اسلام
سے واقف مسلمان تصوف اور صوفیوں سے بدظن نظر آتے ہیں اور تصوف کو بے راہ روی سے تعبیر
کرتے ہیں تو حق بجانب ایشان است۔ کیونکہ انہیں نہ اس کی ضرورت ہے نہ فرصت ہے کہ وہ
اس عاجز کی طرح قوت لا یموت اور رزق ما یحتاج پر قناعت کر کے بیس بائیس سال تک گوشہ میں
بیٹھ کر تیسری صدی ہجری سے لے کر تا عصر حاضر تصوف کی تمام کتابوں کو کھنگالیں اور کھوٹے کو
کھرے سے جدا کریں اور اس کے صلے میں غیروں کی گالیاں اور اپنوں کے طعنے سنیں۔

الحمدللہ کہ یہ عاصی و کم سواد، قرآن و حدیث کے مطالعے کی بدولت اس حقیقت سے آگاہ ہو
چکا ہے کہ تصوف شرعی اصطلاح میں احسان کا معروف نام ہے (اگرچہ بدنام ہو چکا ہے) اور
احسان عبارت ہے تزکیۂ نفس سے جو مقصود حیات بھی ہے اور بعثت نبوی کی غائت بھی ہے۔ اس
کا طریق در ہمہ حال، مقید بالکتاب اور مشید بالسنۃ رہنا چاہئے۔ اس لئے تینوں کو ایک سمجھنا
برہمنیت یا باطنیت کی تعلیم تو ہوسکتی ہے۔ اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں ہوسکتی۔ **اعوذ باللہ من
هذه الخرافات**

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنی ذات پاک کو مومنوں کی محبت کا مرکز قرار دیا ہے۔ چنانچہ

ارشاد ہوتا ہے۔ **والذین امنوا اشد حبا للّٰہ** جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں (ان کی شناخت یہ ہے) کہ وہ اللہ کی محبت میں بغایت شدید ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مرکز محبت مومنین اس لئے بنایا ہے کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کی راہ میں قربان کرسکیں۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب پر اپنی جان اور اپنا مال بخوشی قربان کر دیتا ہے۔ صحابہؓ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو جو افضلیت حاصل ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہی بذل اموال فی سبیل ہے۔ چنانچہ کوئی صحابی اس وصف کاص میں صدیق اکبرؓ کا ہمسر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:۔

اور یقیناً (اس آگ سے وہ) سب سے بڑا پرہیزگار (متقی) دور رکھا جائے گا جو اپنا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے۔ (۹۴۔۱۷،۱۸)

یہ آیت جیسا کہ تمام مفسرین نے لکھا ہے۔ صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس لئے ''اتقی'' (سب سے بڑا متقی) کا مصداق صدیق اکبرؓ ہیں۔ اب اس آیت پر غور کرو۔

ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم۔ بلاشبہ اللہ کی بارگاہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم (افضل) وہ ہے جو تم لوگوں میں سب سے بڑا متقی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ (سب سے زیادہ معزز ہیں) اسی لئے تمام مفسرین، محدثین، فقہا اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صدیق اکبرؓ افضل الصحابہؓ اور اس لئے انبیاء کے بعد، افضل الناس ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

پیروان ابن سبا نے مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اللہ کے بجائے حضرت علیؓ کو ان کی محبت کا مرکز بنا دیا اور اس مقصد کے لئے بہت سی روایتیں وضع کی گئیں۔ جن میں سے ایک ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

قاضی نور اللہ شوستری (مقتول بحکم جہانگیر در ۱۰۱۹ھ) نے اپنی مشہور تصنیف احقاق الحق جلد ہفتم صفحہ ۱۵۲ میں یہ روایت درج کی ہے:۔

اذسمعة النداء من قبل اللّٰہ یا محمد من تحب ان یکون معك فی الارض ؟فقلت احب من یحب العزیز الجبار و

مر بمحبته۔ نمعت النداء من قبل الله یا محمد احب علیا فانی احبه واحب من یحبه۔ فبکی جبریل وقال لوان اهل الارض یحبون علیا کما تحبه اهل السمآء ماخلق الله النر۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں اللہ کے سامنے یہ ندا سنی گئی کہ اے محمدؐ تو کس سے محبت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں تیرا رفیق ہو؟ میں نے کہا میں اس سے محبت کروں گا جس سے العزیز الجبار (خدا) محبت کرتا ہے اور اس کی محبت کا مجھے حکم دے پس میں نے اللہ کے سامنے یہ ندا سنی کہ یا محمدؐ تو علی سے محبت کر کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اور جو شخص اس سے محبت کرے اس سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر جبریل رونے لگا اور کہا کہ اگر اہل زمین بھی علیؓ سے ایسی محبت کرتے جیسے کہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں تو اللہ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔

(ختم شدہ لفظی ترجمہ)

فرقہ سبائیہ نے یہ روایت وضع کی اور ان کے جانشینوں یعنی باطنیہ نے صوفیوں کا لبادہ پہن کر اس روایت کو سنیوں کے دماغوں میں جاگزیں کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اکثریت ایزدی پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو گئی اور اللہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور انہوں نے اللہ کے بجائے ایک شخص کو اپنی محبت کا مرکز بنا لیا۔ چنانچہ شاہ تراب علی قلندر کاکوروی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے۔ ''حب حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ در ضمیر است کہ ہم از اولاد آنحضرت ایم ہم سلسلہ مشائخ ما بآنحضرت می رسد چکونہ مراحب آں جناب نباشد؟ شما در تعصب مذاہب گرفتار باشند۔ آنچہ مذہب حنفیہ است براں باشند۔'' (تعلیمات قلندریہ صفحہ ۱۷۷)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حب علی ان کا خمیر ہے۔ اب معمولی عقل والا بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ انسان جسے محبوب رکھتا ہے اسی کو سب انسانوں میں افضل اور اعلیٰ اور برتر یقین کرتا ہے۔ یہ عقلاً ناممکن ہے کہ ایک شخص محبوب تو رکھے حضرت علیؓ کو اور افضل یقین کرے حضرت صدیقؓ کو، پس جو شخص فی الجملہ حضرت علیؓ کو افضل سمجھتا ہے وہ اہل سنت والجماعت کے دائرے سے باہر ہے کیونکہ تشیع اور تسنن میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ شیعہ حضرات

حضرت علیؓ کو افضل مانتے ہیں۔ اور سنی حضرات حضرت صدیق اکبرؓ کو افضل مانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور اور مستند تصنیف "تکمیل الایمان شرح" شرح عقائد نسفی میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"والخلفاء الاربعة افضل الا صحاب فضلهم علیٰ ترتيب الخلافة" (4-61)

"چاروں خلفاء تمام صحابہؓ سے افضل ہیں اور ان چار کی بزرگی ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے یعنی پہلے صدیق اکبرؓ پھر فاروق اعظمؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ۔

(اردو ترجمہ تکمیل الایمان صفحہ ۶۸)

باز آمدم بر سر مطلب۔ شوستری نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک شخص سے محبت کرتا ہے حالانکہ قرآن حکیم ناطق بالصواب ہے کہ **ان اللّٰه يحب الذين يقاتلون في سبيله صفا كانهم بنيان مرصوص۔ (٦١۔٤)** بلا شبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو قتال کرتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو تسلیم کریں یا شوستری کی نقل کردہ روایت کو، میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا ہاں اقبال کے مرشد معنوی حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کی ایک رباعی نقل کئے دیتا ہوں جو ایک مقالے سے بھی زیادہ موثر ہے۔

سررشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

ایک شعر مزید کا بھی درج کئے دیتا ہوں:۔

حقیقت خرافات میں کھوگئی
یہ اُمت روایات میں کھوگئی

سید محمد گیسو دراز جن کا مزار گلبرگہ (دکن) میں ہے اپنی مشہور تصنیف جوامع الکلم میں لکھتے

ہیں کہ:۔

''خلافت آنحضرت ﷺ بر دو گونہ است، یکے خلافت صغریٰ کہ مراد از خلافت ظاہری است، دوم خلافت کبریٰ کہ مراد از خلافت باطنی است و مخصوص حضرت علی است۔''

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ سید صاحب نے یہ تقسیم کس بنیاد پر کی ہے۔ قرآن حکیم یا کسی صحیح حدیث سے تو اس کی تائید ہرگز نہیں ہوتی۔ قرآن میں صرف ایک ہی قسم کی خلافت کا ذکر ہے۔

وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملو الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کمااستخلف الذین من قبلھم و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی کھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً (۲۴۔۵۴)

(صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا (خلیفہ بنائے گا زمین میں) جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کے لئے جس دین کو اس نے پسند کیا ہے ضرور مستحکم کردے گا اور یقیناً ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

جیسا کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔ یہ تینوں وعدے حضرات شیخینؓ کے مبارک عہد میں پورے ہو گئے۔ اس خلافت ارضی کے علاوہ قرآن حکیم میں نہ صغریٰ کا ذکر ہے نہ کبریٰ کا اور نہ ظاہری کا بیان ہے نہ باطنی کا۔ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں ''باطنیت'' کا تصور صحابہ کے زمانے میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ تو سبائیہ اسمٰعیلیہ قرامطہ باطنیہ کے دماغوں کی اپج ہے اور اسی لئے انہیں باطینہ کہتے ہیں۔ سید گیسو دراز بھی انہی باطنیہ کے ہمنوا نظر آتے ہیں اور مجھے اس فصل میں یہ دکھانا ہے کہ باطینہ کے عقائد اکثر سنی صوفیوں کے دل ودماغ میں راسخ ہو چکے ہیں۔

وحدت اُمت

(مولانا محمد حسین شیخوپوری)

(مولانا محمد حسین شیخوپوری جماعت اہلحدیث کے ایک جید عالم دین تھے۔ آپ 1918ء میں قصبہ بوہلیاں تحصیل اجنالہ امرتسر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو آپ ہجرت کر کے شیخوپورہ کے نواح میں آباد ہو گئے۔ آپ عمر بھر اپنے ہاتھوں سے رزق حلال کماتے رہے۔ غلہ منڈی شیخوپورہ میں پلہ داری کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت کا کام بھی جاری رکھا۔ آپ کے اپنے خاندان میں اس وقت اٹھارہ حافظ قرآن ہیں جن میں آپ کے بیٹے، بیٹیاں، پوتے اور نواسے شامل ہیں۔ آپ کا انتقال بروز جمعہ بتاریخ 5۔ اگست 2005ء کو ہوا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مغفرت فرما کر بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین! آپ نے اپنے آخری انٹرویو میں اپنے خیالات اور وحدتِ اُمت کے بارے میں جو ارشاد فرمایا وہ روزنامہ نوائے وقت کے شکریہ کے ساتھ قارئین کی نذر ہے۔)

سوال! مولانا صاحب جماعت اہلحدیث کے تمام گروہوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیوں نہیں کیا جا سکا؟

جواب! میری بڑی کوشش کے باوجود جماعت سے نئی جماعت اور گروپ سے نئے گروپ نے جنم لیا جو بڑا المیہ ہے۔ اِس کا ایک ہی حل ہے کہ اختلافات تو ہو ہی جاتے ہیں مخالفت نہ ہو، مخالفت سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور نفرت سے بغض اور دُشمنی جنم لیتی ہے۔ میری تجویز پر یہ اتفاق ہوا کہ آپس میں مقابلہ بازی نہ ہو۔ کیونکہ ہر تنظیم کام کرتی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اتحاد ہو جائے ایک ہو جائیں تو یہ ناممکن ہے۔

سوال! آپ ایک بڑے جید اہلحدیث عالم ہیں پھر اہلحدیث گروپ آپ کی بات کیوں نہیں مانتے؟

جواب! میں ہر ایک کے پاس خود گیا اور بلوا کر بھی کہا کہ ایک ہوئے بغیر چارہ نہیں بلکہ

تک کہا کہ قرآن مجید کی ایک آیت کا انکار کفر ہے۔ آپ لوگ اہلحدیث کہلوانے کے باوجو
قرآن مجید کے کتنے حصے کا انکار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ جس
ترجمہ یہ ہے کہ ''آپس میں تفریق کا شکار نہ ہوں'' اس کے باوجود تفریق ہوتی جا رہی ہے۔ جب
بھی کوشش کی ہے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پھر اکٹھ سے نکلتے ہی ایک اور جماعت یا گروپ جنم لے
لیتا ہے۔

سوال! پاکستان کے بعض علماء نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ افغانستان اور عراق میں جہاد جائز
ہے جبکہ پاکستان میں نہیں؟

جواب! افغانستان اور عراق میں اہلِ کفر کے ساتھ مقابلہ ہے اور پاکستان میں کس سے جہاد
کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو آدمی اپنی آنکھوں سے برائی دیکھے تو اس برائی کو
اپنے ہاتھوں سے روکے۔ اگر ہاتھ سے نہیں تو زبان سے۔ اگر زبان سے نہیں تو دل سے اسے برا
جانے جو ایمان کا کم ترین درجہ ہے۔

سوال! روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب! اسلام خود ایک روشنی ہے جبکہ قرآن مجید میں ایک سورت کا نام نور ہے۔ اس کو پڑھ
لیا۔ جس کو آج ہمارے حکمران روشنی کہتے ہیں یہ روشنی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حسن صورت،
حسن سیرت اور حسن روح روشن خیالی ہے۔ حسن ایمان و عمل ہے۔ صورت، سیرت اور روح کی
روشنی قرآن مجید کی روشنی ہے۔ حکمران کون سی روشنی چاہتے ہیں۔ یا پہلے یہ کہہ دیں کہ قرآن روشن
نہیں ہے۔ یہ روشنی اس کو کہتے ہیں کہ لڑکیاں اور لڑکے اکٹھے دوڑیں۔ یہ روشنی نہیں بے حیائی
ہے۔ جس طرح آج کل لڑکیاں بے پردہ ہیں یہ روشنی نہیں اندھیرا تر اندھیرا ہے۔ اور ایک ایسا
اندھیرا ہے جس میں داخل ہونے والا کبھی بھی روشنی نہیں دے سکتا۔ روشنی کے بارے میں تو
قرآن کہتا ہے۔ ''جس شخص کا دل اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی طرف مائل کر دے وہ سمجھے کہ اللہ کے نور

میں شامل ہو گیا ہے''۔ نور قرآن ہے۔ یہی روشنی ہے۔ اسی طرح اسلام ہے۔ اسلام کو بھی نور ہی
کہا گیا ہے۔ اسلام کو نور سمجھ کر ہم نے قبول کیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اسلام کے بعد کوئی روشنی اور
ہے تو وہ سمجھے کہ اس نے اسلام کو کامل نور نہیں سمجھا۔ باقی جو کچھ بھی ہے وہ برائی ہے۔ قرآن مجید
میں ہے۔ ''جس شخص نے اسلام قبول کر لیا اسکا سینہ کھل گیا نور کی طرف اور جس نے اسلام قبول
نہیں کیا وہ یوں ہی ہے جیسے وہ کوشش کرتا ہے کہ آسمان پر چڑھوں'' جیسے آسمان پر چڑھنا مشکل
ہے ویسے ہی اسلام کے علاوہ نور ڈھونڈنا مشکل ہے۔ رہا سوال علماء کے کردار کا تو علماء دین نے
ہمیشہ اپنا کردار ادا کیا ہے۔ منی میر اتھن ریس میں بھی علماء ہی نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ جیلیں کاٹی
ہیں گولیاں کھائی ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ اہلحدیث نوجوان ہی گرفتار ہوئے۔ علماء نے
ہمیشہ اپنا کردار ادا کیا ہے اور کرتے رہیں گے۔

سوال! کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کو ٹی وی پروگراموں پر اعتراض ہے تو اپنی آنکھیں بند کر لیں؟

جواب! جس طرح بگلیہار ڈیم سے آنکھیں بند کر کے ہماری زمین برباد ہو جائے گی، اسی طرح ہم اپنی آنکھیں بند کر لیں، تو دین الٰہی کو تباہ کرنے کی سازش کا حصہ ہوں گے۔ ہم آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ ہندوؤں کے مقابلے میں جرات سے کام لینا چاہیے۔

سوال! مسئلہ کشمیر کا حل کس طرح ممکن ہے؟

جواب! میرے نزدیک کشمیر کا حل کچھ اور ہے اور جو ہم پر ظاہر کیا جا رہا ہے وہ کچھ اور ہے۔
حل تو اس کا یہ ہے کہ کشمیر ہمارا ہے۔ یہ کس طرح لیا گیا ہے۔ وہ آنکھوں میں دھول جھونکنے والی
بات کہتے ہیں کہ کشمیر ہمارا ہے۔ سب کچھ دینے کے بعد بھی وہ مکمل طور پر کہتے ہیں کہ کشمیر ہمارا
اٹوٹ انگ ہے۔ وہ ذرا بھی نرم نہیں ہوتے۔ آزاد کشمیر ہم نے لڑ کر ہی حاصل کیا تھا۔ وہ
مذاکرات کے ذریعے نہیں ملا تھا۔ ہندوستان والے اپنے ملک میں بیٹھ کر اپنے معاملات حل کر

رہے ہیں۔ ہمارے حکمران اس کے بدلے کچھ بھی نہیں کر رہے۔ وہ وہاں بیٹھ کر ننکانہ صاحب تک پہنچتے سڑک بنوا رہے ہیں۔ اس کو ضلع کا درجہ دلوا دیا۔

سوال! قرآن پاک کی بے حرمتی پر مسلمان حکمران کیوں خاموش رہتے ہیں؟

جواب! قرآن پاک کی بے حرمتی آج کے دور میں نہیں ہو رہی۔ مدتوں سے کفار یہ بے ہودہ اور ناپاک حرکتیں کرتے رہے ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمیں کوئی ایسی قیادت نہیں ملی جو کفار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔ ہم میں اتحاد کا فقدان ہے جب تک ہم گروہ بندی سے چھٹکارا نہیں پاتے کفار ہمیں ایک ایک کر کے نیست و نابود کرنے کی کوشش میں مصروف رہیں گے۔ سب سے پہلے اتحاد کی ضرورت ہے اور تمام تر اختلافات کو پس پشت ڈال کر ایک ہونے کی ضرورت ہے۔ کفار نعوذ باللہ کبھی فٹ بال اور کبھی جوتوں پر کلمہ لکھ کر ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا ضرور دی ہے۔ یہ الگ بات ہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ میں نے اپنے علماء کرام کو رائے دی تھی کہ دو رکعت نماز نفل ہر مسجد میں مختلف اماموں کے پیچھے پڑھیں اور کہیں کہ ہم مسلمان ایک ہیں۔ فرض نماز کی بات نہیں کرتا۔ فرض نماز کا خطرہ ہے کہ قبول ہو یا نہ ہو۔ بریلوی آگے کھڑا ہو اور پیچھے اہلحدیث ہو۔ دیوبندی آگے کھڑا ہو پیچھے بریلوی۔ آگے اہلحدیث پیچھے دیوبندی اور بریلوی ہوں۔ اور ملک میں ایک دن منایا جائے اور کہا جائے کہ "ہم سب ایک ہیں" لیکن کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

سوال! آپ کبھی سیاست میں نہیں آئے اور انتخابات میں حصہ نہیں لیا اس کی کیا وجہ ہے؟

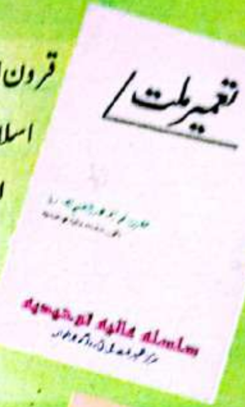
جواب! سب سے بڑی لڑائی کا سبب آپس میں انتخابات ہوتے ہیں۔ الیکشن میں دو بنیادی چیزیں ہوتی ہیں۔ وقار اور دولت۔ یہ پہلے ہوتے ہیں پھر الیکشن ہوتا ہے۔ اگر الیکشن کی بجائے سلیکشن ہو تو سوچا جا سکتا ہے کہ کامیابی کی راہ نکل آئے۔ سلیکشن ہے نہیں اور الیکشن فساد کا سبب ہیں۔ الیکشن میں جو لوگ اُوپر آ جاتے ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ اسی مقام پر بیٹھے رہیں

اور انہیں کوئی نہ ہلائے، وہ ناکام ہوتے ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ٹانگیں کھینچی جائیں جو کامیاب ہوئے ہیں۔

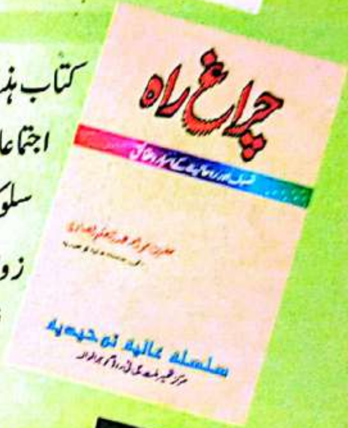
سوال! دینی طبقہ سیاست کے نام پر تو اکٹھا ہو جاتا ہے لیکن اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے دین اسلام کے لئے اکٹھے نہیں ہوتے؟

جواب! اسلام کی تعبیریں ہر ایک کی مختلف ہیں۔ ایک اسلام ہے حنفیوں کا، ایک اسلام شیعوں کا، ایک اسلام ہے اہلحدیثوں کا، ایک اسلام ہے بریلویوں کا، ایک اسلام ہے مالکیوں کا۔ اسلام کا کٹھ کون سی صورت میں ہو۔ پاکستان کے سابق صدر جنرل ضیاء الحق نے کہا تھا کہ آؤ مجھے اسلام کا خاکہ پیش کرو۔ اِس اجتماع میں سب کو بلایا گیا جس میں بریلوی، شیعہ، اہلحدیث، دیوبندی، مالکی کے بڑے بڑے عالم تھے۔ کسی نے کہا فتاوی عالمگیری نافذ کر دیں وہ شریعت ہے۔ کسی نے کہا کہ شریعت جعفریہ نافذ کر دیں وہی اسلام ہے۔ یعنی کہ سب نے اپنی اپنی رائے دی۔ سب کے آخر میں حافظ عبدالقادر روپڑی نے کہا کہ میں ایسا حل پیس کرتا ہوں جس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا وہ یہ ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جس کو یہ سب مانتے ہیں اور حدیث رسول اللہ ﷺ کو بھی مانتے ہیں یہ نافذ کر دو باقی کسی کو نافذ نہ کرو۔ اِس پر جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ یہ سب سے بہتر رائے ہے تو اِس پر ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا کہ ہم سب ایسے ہی آئے ہیں۔ اگر ہماری بات نہیں مانی جانی تھی۔ سب اُٹھ گئے اِس لئے دینِ الٰہی اسلام پر اتحاد نہ ہو سکا۔

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

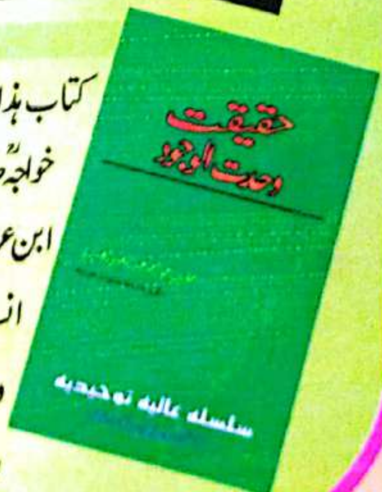
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کیا ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق۔

انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔

وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔

روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔